ماہنامہ نعت لاہور
شہیدانِ ناموسِ رسالت ﷺ

ماہنامہ نعت لاہور

جلد ۴ مئی ۱۹۹۱ء شمارہ ۵

شہیدانِ ناموسِ رسالت

(حصہ پنجم)

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

مشیرِ خصوصی: چوہدری رفیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ

معاون: شہناز کوثر

خطاط: جمیل احمد قریشی تنویر رقم
خلیل احمد نوری

قیمت ۱۵ روپے (فی شمارہ)
۱۶۰ روپے (زرِ سالانہ)

مینجر: اظہر محمود

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر۔ جیم پرنٹرز۔ لاہور

پبلشر: راجا رشید محمود

بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید۔ بُک بائنڈنگ ہاؤس، ۳۸۔ اُردو بازار۔ لاہور

اظہر منزل مسجد سٹریٹ نمبر ۵۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ
لاہور (پاکستان) پوسٹ کوڈ ۵۴۵۰۰

(منظر رقم)

فون: ۴۱۳۶۸۴

عزّ اسمہ

نعت صفحۂ قرطاس پر بھی رقم کی جاتی ہے اور دل کے کینوس پر بھی۔

نعت بحور و قوافی کی پابندی سے بھی کہی جاتی ہے اور نثر کی رنگینیوں اور نیرنگیوں کے جلو میں بھی۔

نعت، دماغ میں موجود ذخیرۂ الفاظ سے بھی بیان کی جاتی ہے اور دل کی لفظیات کے بل بوتے پر بھی۔

میں اور آپ، نعت کے حروف، الفاظ، تراکیب اور مصرعے روشنائی ہی سے لکھتے ہیں — اور، شہیدانِ ناموسِ رسالت نے مزرعِ نعت کی آبیاری اپنے خونِ پاک سے کی ہے۔

ہم نے مرغِ تخییل کو عروض کی قیود میں جکڑ کر — اور، انھوں نے طائرِ روحِ مقیّد کو آزاد کر کے، نعت کے بند لکھے ہیں۔

ہم نے خیالات کی اڑان سے الفاظ کے نگینے جڑے ہیں، انھوں نے خونِ قلب کے ترشّح سے مصرع ہائے تر کی صورت دیکھی ہے۔

محافظانِ حرمتِ آقا و مولا (علیہ التحیۃ والثناء) نے نعت کے ارقام کی خواہش ہیں، روشنائی کے طور پر اپنی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ دیا؟ تو گویا لاثانی خالق و مالک کے لاثانی محبوب (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی حقیقی نعت لکھنے کا اہتمام کیا۔

جانثارانِ حرمتِ سرکار (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے جس عدیم النظیر اسلوب میں یہ نعت رقم کی ہے، خداوندا! ہمیں بھی وہ اسلوب اپنانے کی توفیق مرحمت فرما!

ہم نعت کہتے کہتے، نعت پڑھتے سنتے، محبّت کے اُس جادے پر گامزن ہو جائیں جو سلمان رُشدی کے قتل کی منزل پر پہنچا دے! اور — بدلے میں ہمیں دار کو بوسہ دینے کی سعادت مل جائے!!

فہرست

مضامین

منظومات

اسلام کا شہیدِ اوّل

زمینِ مکہ پر جب گڑ گئے اسلام کے جھنڈے
ہوئے باطل پرستوں کے تمام آتشکدے ٹھنڈے

محمد مصطفیٰ لائے خدا کا نام دنیا میں
حکومت لے کے اپنی آ گیا اسلام دنیا میں

اٹھا ایذا رسانی کو گروہِ نسلِ شیطانی
مگر کیا کارگر ہوتی یہاں تدبیرِ انسانی

انہیں بھیجا گیا تھا کفر کی بنیاد ڈھانے کو
یہ آئے تھے جہاں میں نام باطل کا مٹانے کو

خدا والے خدا کی راہ میں مرنے کو آئے تھے
فقیری شان سے شاہنشہی کرنے کو آئے تھے

اِدھر تھے چند اہلِ دیں اُدھر ساری خدائی تھی
جہاں میں شانِ حق اپنی حکومت کرنے آئی تھی

بسایا جا رہا تھا کعبے کو اک کملی والے سے
عرب کا جگمگاتا چاند نکلا اپنے ہالے سے

منور ہو گئی انوارِ صبحِ عید سے دنیا
ہوئی بیدار شورِ نعرۂ توحید سے دنیا

ابھی تک صرف چالیس اہلِ ایماں کی جماعت تھی
مسلمانوں کی قلت، نامسلمانوں کی کثرت تھی

مسلماں تھے تو قلت میں مگر کثرت پہ حاوی تھے
کہ اُن کے نام سے خائف سب ارضی و سماوی تھے

عداوت ان سے رہتی تھی قریشی روسیاہوں کو
گھسٹواتے تھے تپتی ریت پر ان بے گناہوں کو

لیا نامِ خدا کملی کو اپنی دوش پر ڈالا
حرم میں آ گیا اعلانِ حق کرنے حرم والا

جو یہ نقشہ نظر آیا تو کافر ہو گئے بدظن
مٹانے کو اٹھے اسلام کو اسلام کے دشمن

اٹھے کفار اور ایذا رسانی پر کمر باندھی
حرم کی چار دیواری میں آئی کفر کی آندھی

گھرا تیغوں کے جھرمٹ میں اکیلا دین کا حامی
حقیقت میں یہی ہے بندۂ مومن کی آزادی

برہنہ ہو کے چمکیں اس طرف ناپاک شمشیریں
ادھر تقدیر کی دمساز تھیں پہلے سے تدبیریں

یہ سُنناتھا کہ حارثؓ بن ابی ہالہ کو جوش آیا
جھپٹ کر زغۂ کفار میں وہ سرفروش آیا

بچایا حملۂ کفار سے ختمِ رسالت کو
شہادت پا کے خود رُخصت ہوا گلزارِ جنت کو

وہ غازی سو گیا تیروں کی بوچھاروں کے سائے میں
لیا آرام خوں آشام تلواروں کے سائے میں

کوئی جذبہ تو دیکھے صف شکن مردِ مسلماں کا
ہوا تھا سب سے پہلا خون یہ اک اہلِ ایماں کا

نبیؐ پر جان دے دی غمگساری ہو تو ایسی ہو
شجاعت ہو تو ایسی جاں نثاری ہو تو ایسی ہو

نہ کیوں مقبول ہو وہ بارگاہِ ربِ اکبر میں
جو اپنی جان بھی دے دے حضورِ پیمبرؐ میں

محشر بدایونی

شماتتِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششیں اور مسلمان حکمران

تحریر: سید محمد سلطان شاہ ایم اے

جب بھی کسی شاتم نے رسولِ مکرم، نبیٔ معظم، نورِ مجسم، احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شانِ اقدس میں سرموگستاخی کا ارتکاب کیا، عشاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلوب میں ایسی آتشِ غضب بھڑکی جس نے توہین و تضحیک کے مرتکب لعنتی کو بھسم کردیا۔ تاریخِ اسلام کی ورق گردانی سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ جب بھی کسی ملک میں شماتتِ رسولؐ کی کوئی تحریک چلی تو محبانِ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جہاد بالقلم کے علاوہ جہاد بالسیف کا عملی مظاہرہ کیا اور منبروں پر اشتعال انگیز تقاریر کرنے اور لوگوں کو سڑکوں پر لانے کے بجائے خداتعالیٰ کے بے عیب محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی تنقیص کرنے والوں کو واصلِ جہنم کرکے دم لیا۔ انہوں نے سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بھونکنے والے کتوں کے گلے کاٹ دیئے اور ہر اس بدبخت قلمکار کو فنافی النار کیا جس نے ایسی کوئی نامعقول جسارت کی۔ شماتتِ خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریک صرف ہندوستان میں نہیں چلی بلکہ اس سے قبل بھی اس فتنے نے اندلس میں سر اٹھایا تھا۔ ہاں یہ برصغیر پاک وہند کا تخصص ہے کہ یہاں شاتمیت کے بھوتوں کا قلع قمع کرنے والوں نے خود بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ جبکہ بلادِ اسلامیہ میں جب بھی کسی بدبخت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین و تضحیک کی یا ان کی حیاتِ طیبّہ کو غلط رنگ دے کر تمسخر اڑایا تو مسلم حکمرانوں نے ایسے اشخاص کو قتل کروا کر اپنے مومن ہونے کا ثبوت دیا۔ ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے مسلمان خلفا و فقہا سبھی کا یہ موقف رہا ہے کہ جب کسی نے حضور

سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ واکمل التحیات کی شان میں گستاخی کی تو فوراً اس کے قتل کا حکم صادر کیا گیا۔ زیرِ نظر مضمون میں مختلف ادوار کے مسلم حکمرانوں کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے جنہوں نے اپنے زمانے کے "رشدیوں" کو ان کی ناپاک جسارتوں کے باعث قتل کرا دیا تھا۔

عہدِ نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) میں گستاخانِ رسولؐ کا انجام

حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عہدِ سعید میں گستاخیٔ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا ارتکاب کرنے والے کئی افراد کو قتل کیا گیا۔ ایک نابینا صحابی نے اپنی بیوی کو اس لیے قتل کر دیا کہ وہ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اس صحابی کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس عورت کا خون رائگاں ہے۔[۱] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتحِ مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے، کسی نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیک وسلم) ابن خطل کعبہ سے لپٹا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اقتلوہ" اسے قتل کر دو۔[۲] یہ عبداللہ بن خطل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہہ کر آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی شان میں توہین و تنقیص کیا کرتا تھا۔ اس نے دو گانے والی لونڈیاں (فرتنا اور قریبہ) اس لیے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ہجو میں اشعار گایا کریں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اسے غلافِ کعبہ سے باہر نکال کر باندھا گیا اور مسجدِ حرام میں مقامِ ابراہیم اور زم زم کے درمیان اس کی گردن اڑا دی گئی[۳] قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں یہ واقعہ بھی رقم کیا ہے کہ ایک شخص نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے اس کی اس حرکت پر فرمایا کہ کون غیور ہے جو اس دریدہ دہن گستاخ کو اس حرکت کا مزہ چکھائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "میری خدمات اس کام کے لیے حاضر ہیں اور اس مردِ مجاہد نے اس گستاخ کو گستاخی کی سزا دی۔[۴]

صحابۂ کرامؓ اور شاتمانِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم)

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی توہین و تضحیک کی یا آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر سبّ و شتم کیا تو انہوں نے ایسے بدبخت شخص کو قتل کر دیا۔ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کو اس لیے قتل کر دیا کہ اس نے گفتگو میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے لیے "صاحبکم" (تمہارے ساتھی) کا لفظ استعمال کر کے تعریض کی تھی۔[۵]

ابن وہب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ایک راہب نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کی۔ جب ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ سامعین نے اس کو قتل کیوں نہیں کیا۔[۶] خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کے زمانے میں اطلاع ملی کہ آپ کے ماتحت ایک والی نے ایک عورت کے دانت اکھیڑ دیے ہیں، کیونکہ اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شان میں ناروا کلمات کہے تھے۔ آپ نے فرمایا "اب سزا دی جا چکی ہے۔ ورنہ میں حکم دیتا کہ عورت کو قتل کر دیا جائے۔ اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شان اقدس میں ذرا بھی گستاخی کا ارتکاب کرنے والے کی سزا قتل ہے۔"[۷]

مندرجہ بالا واقعات سے مترشح ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیشہ گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو واجب القتل سمجھا۔ اور اپنے پیارے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس میں ذرا بھی گستاخی کرنے والے کو سزا دی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شاتمِ رسولؐ کی سزا

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر دورِ خلافت بنو امیّہ کی تاریخ کا ایک

زریں باب ہے۔ انہوں نے اپنے پیشرو حکمرانوں کے طرزِ عمل سے ہٹ کر حکومت کی اور ملوکیت کو ایک بار پھر خلافت میں بدل دیا۔ اسی لیے بعض مؤرخین انہیں پانچویں "خلیفۂ راشد" کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔ آپ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرنے والے کو واجب القتل سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کوفہ کے عامل کے استفسار پر آپ نے تحریر فرمایا کہ سوائے اس شخص کے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کا مرتکب ہو، کسی دوسرے کو گالی دینے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ۸

موسیٰ بن مہدی عباسی اور گستاخِ پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

عباسی خلیفہ موسیٰ بن مہدی الملقب بہ ہادی کے عہد میں ایک شخص نے قبیلۂ قریش کو برا بھلا کہا۔ اس سلسلے میں حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ پاک کے متعلق بھی گستاخی کی۔ وہ ہادی کے سامنے لایا گیا۔ اس نے علماء و فقہاء کو جمع کر کے اس کے متعلق فتویٰ لیا۔ انہوں نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر کیا۔ اس پر خلیفہ نے کہا کہ اس کی سزا کے لیے قریش ہی کی اہانت کافی تھی (کیونکہ یہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاندان ہے)، اس دشمنِ خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی شامل کر لیا۔ چنانچہ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ ۹

خلیفہ ہارون الرشید اور امام مالکؒ

ہارون الرشید عباسی نے امام مالکؒ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کرتا ہو۔ ہارون الرشید نے لکھا تھا کہ علمانے شاتمِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے کوڑوں کی سزا تجویز کی ہے، آپ کا اس سلسلے میں کیا فتویٰ ہے۔ امام مالکؒ نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ جو شخص حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو گالی دے، وہ ملتِ اسلامیہ کا فرد نہیں رہتا، ایسا شخص واجب القتل ہے۔ ۱۰

امام مالکؒ کا موقف یہ تھا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذرا بھی اہانت کرے، اس کی گردن اڑا دی جائے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ ایک نے کہا تم اُمّی (ان پڑھ) ہو۔ اس نے کہا "اُمّی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تھے۔ اس پر امام صاحبؒ نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر فرما دیا۔ ۱۱

شاتمِ رسولؐ ریجی نالڈ اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

شیطان صفت پرنس ارطاۃ والئی کرک ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر لشکر کشی کا قصد کیا تاکہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مزار کو منہدم اور مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دے۔ جب وہ سمندری راستے سے حملہ آور ہوا تو مسلمان مقابلے کے لیے مدینہ پاک سے روانہ ہوئے۔ اس کی فوج اسلامی لشکر کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ اپنے جہازوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی جانب بھاگی۔ مسلم سپاہ کے جیالوں نے انہیں پہاڑوں اور باغ سے پکڑ کر ان کے ٹکڑے کر دیئے۔ ریجی نالڈ جیسا شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) خود بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ ۱۲ لیکن ابلیس کا یہ فرزند اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرنا اس کی فطرت کا جزوِ لاینفک بن گیا۔ لین پول کا بیان ہے کہ ریجی نالڈ نے ۱۱۷۹ء میں مسلمانوں کا ایک کارواں لوٹ لیا اور اس کے تمام آدمی گرفتار کر لیے۔ بادشاہ یروشلم نے اس پر اعتراض کیا اور کارواں کے لوگوں کی رہائی اور لوٹے ہوئے مال کی واپسی کے لیے سفیر بھیجے۔ ریجی نالڈ نے ان کا مذاق اڑایا۔ ۱۱۸۳ء میں پھر یہی حرکت کی۔ ۱۱۸۶ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹ کر اہلِ قافلہ کو گرفتار کیا۔ جب ان لوگوں نے اس سے رہائی کے لیے کہا تو اس نے یہ طعن آمیز جواب دیا "تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان رکھتے ہو۔ اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تم کو چھڑائے۔" جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کو ریجی نالڈ کی اس گستاخانہ گفتگو کی خبر ملی تو اس نے قسم کھا کر کہا۔ اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو میں اپنے

ہاتھوں سے قتل کروں گا۔

صلیبی لڑائیوں کے سلسلے میں ایک موقع پر فرنگیوں کو شکست ہو گئی۔ فرنگی شہنشاہ اور شہزادے قید کر کے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے سامنے لائے گئے۔ ان میں ریجی نالڈ بھی تھا۔ سلطان کو دیکھ کر اسے اپنی بداعمالیاں یاد آگئیں اور ساتھ ہی سلطان کی قسم بھی یاد آگئی۔ جس نے ریجی نالڈ کا خون خشک کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کو تمام بداعمالیاں گنائیں اور یہ بھی کہا کہ اس وقت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے مدد چاہتا ہوں اور یہ کہہ کر اپنے ہاتھوں سے اس موذی کا سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم مسلمانوں کا یہ دستور نہیں ہے کہ لوگوں کو خواہ مخواہ قتل کرتے رہیں۔ ریجی نالڈ تو صرف حد سے بڑھی ہوئی بداعمالیوں اور حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ گستاخی کی پاداش میں قتل کیا گیا ہے۔ [۱۱]

اسی سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے قبلۂ اول بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کرایا تھا۔ وہ اسلام کا عظیم سپوت تھا اور اس کا دل عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی دولت سے مالامال تھا۔ اس نے اس عیسائی حکمران کو جس نے اہانتِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا ارتکاب کیا تھا، اپنے ہاتھوں سے جہنم رسید کیا۔

سلطان نور الدین زنگیؒ اور دو بدبخت نصرانی

۵۷۷ھ میں سلطان نور الدین زنگیؒ کے زمانے میں روضۂ پاک میں نقب زنی کی ناپاک جسارت کی گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ جل مجدہ، نے شرپسندوں کا منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ سلطان کو خواب میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے دو نیلی آنکھوں والے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کو سخت تشویش ہوئی، اٹھ کر وضو کیا۔ نفل ادا کیے مگر جونہی لیٹے پھر وہی خواب دیکھا۔ غرضیکہ تین دفعہ ایسا ہوا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے وزیر جمال الدین

کے مشورے پر فوراً مدینہ کی تیاری شروع کر دی۔ سولہویں دن مدینہ طیبہ پہنچا۔ ریاض الجنۃ میں تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد سوچنے لگا کہ حصولِ مقصد کے لیے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ آخر وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہیں، وہ اہلِ مدینہ کو انعامات سے نوازیں گے۔ ہر شخص حاضر ہو کر اپنا حصہ لے لے۔ ایک ایک آدمی آتا گیا، بادشاہ انعامات تقسیم کرتا رہا۔ وہ ہر شخص کو بغور دیکھتا اور خواب میں نظر آنے والی شکلوں کو تلاش کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مدینہ کے تمام لوگ گزر گئے مگر مجرمین کا کھوج نہ لگایا جا سکا۔ بادشاہ نے استفسار کیا کہ کوئی رہ گیا ہو تو حاضر کیا جائے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد شاہ کو بتایا گیا کہ صرف دو مغربی باشندے ہیں جو نہایت متقی ہیں اور انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں بھی طلب کر لیا اور انہیں ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا۔ پوچھا "کون ہو؟ اور یہاں کیوں پڑے ہو؟" انہوں نے بتایا کہ ہم مغرب کے رہنے والے ہیں۔ حج کے لیے آئے تھے۔ روضۂ انور کی زیارت کے لیے مدینہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پڑوس میں رہنے کے شوق میں یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ بادشاہ ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر ان کی رہائش گاہ پر پہنچا جو ایک قریبی سرائے میں تھی۔ مگر وہاں کوئی مشکوک چیز نظر نہ آئی جس کی وجہ سے بادشاہ اور پریشان ہو گیا۔

مدینۂ پاک کے لوگوں نے ان کی صفائی میں بہت کچھ کہا کہ یہ تو نہایت پرہیزگار ہیں۔ ریاض الجنۃ میں نماز پڑھتے ہیں۔ روزانہ جنت البقیع کی زیارت کرتے ہیں اور ہر شنبہ کو قبا میں نفل ادا کرتے ہیں۔ یہ قائم اللیل اور صائم النہار ہیں۔ اس سے بادشاہ کی تشویش میں اور اضافہ ہو گیا۔ دفعتاً بادشاہ کے دل میں کچھ خیال آیا اور اس نے ان آدمیوں کے مصلیٰ کو الٹ دیا۔ بوریا کا مصلیٰ ایک پتھر کے اوپر تھا۔ پتھر اٹھایا گیا تو نیچے سرنگ نمودار ہوئی جو دور تک روضۂ انور کے قریب پہنچ چکی تھی۔

بادشاہ نے اس کمینہ حرکت کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ نصرانی ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے انہیں بیش بہا دولت دے کر اس کام پر مامور کیا ہے کہ کسی طرح وہ

حضور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجرۂ مقدسہ میں داخل ہو کر آپ کا جسمِ عنبریں یہاں سے نکال کر لے جائیں۔ ان کا طریقۂ واردات یہ تھا کہ رات بھر سرنگ کی کھدائی کرتے اور مشکوں میں مٹی بھر کر بقیع کے مضافات میں ڈال آتے۔

سلطان نور الدین زنگیؒ یہ باتیں سن کر آتشِ غضب سے بھڑک اٹھا۔ ساتھ ہی رقت بھی طاری ہو گئی کہ اسے اس کام پر مامور کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان دو عیسائیوں کو صبح کے وقت قتل کرا دیا اور شام کے وقت ان کی ناپاک نعشوں کو نذرِ آتش کر کے خاکستر کر دیا گیا۔

اس کے بعد اس بیدار بخت بادشاہ نے حجرۂ پاک کے چاروں طرف اتنی گہری بنیادوں کو سطح زمین تک بھر دیا تاکہ آئندہ کسی ملعون کو نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لحدِ مبارک کے قصد کا موقع نہ مل سکے۔ [۱۴]

ابنِ تیمیہ اور حکومتِ وقت

ابنِ تیمیہ نے تحفظِ ناموسِ رسالت پر سب سے پہلی مفصل کتاب "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" تصنیف کی تھی۔ اس کتاب کی تصنیف کا سبب یہ تھا کہ ۶۹۳ھ میں یہ خبر ملی کہ ایک نصرانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سبّ و شتم کیا ہے۔ پھر وہ لوگوں سے خوفزدہ ہو کر ایک بدوی کے ہاں پناہ گزیں ہو گیا ہے جس نے اسے لوگوں سے بچا لیا ہے۔ اس پر ابنِ تیمیہ شیخ الحدیث زین الدین عبداللہ بن مروان الفاروقی کے ہمراہ دمشق کے نائب السلطنت کے پاس پہنچے اور اس سے ماجرا بیان کیا۔ اس نے نصرانی کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ حاضر ہوا۔ اس کے ہمراہ وہ بدوی بھی تھا جس نے اسے پناہ دی تھی۔ لوگ پہلے ہی مشتعل تھے، انہوں نے نصرانی اور بدوی پر سنگ باری شروع کر دی۔ حاکمِ دمشق نے ابنِ تیمیہ اور ان کے شیخ الحدیث سے اس الزام میں کہ انہوں نے لوگوں کو نصرانی کے خلاف بھڑکا کر امنِ عامہ کو درہم برہم کیا تھا، تشدد کا برتاؤ کیا۔ تفتیش سے نصرانی کی برائت ثابت ہو گئی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ [۱۵] اس سے ابنِ تیمیہ نے شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ

وسلم) کے خلاف قلمی جہاد شروع کیا اور مذکورہ بالا کتاب رقم کی۔ جس میں انہوں نے یہ لکھا کہ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں۔ لیکن اپنی عمر کے آخری حصے میں ابنِ تیمیہ نے متعدد بار توہینِ رسالت کا ارتکاب کیا۔ ۵۲۶ھ میں مسلمانوں نے شہادتیں دیں کہ ابنِ تیمیہ روضۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کر کے جانے کو شرک کہتا ہے اس پر حکومت نے پاؤں میں زنجیر باندھ کر قلعے میں قید کر دیا یہاں تک کہ ذیقعدہ کی بائیسویں رات ۷۲۸ھ کو قید میں ہی مرا۔ [۱۶] ابن تیمیہ کے سوانح نگار محمد یوسف کوکن عمری ایم۔ اے اس واقعے کو یوں رقم کرتے ہیں۔ "جب یہ ساری روداد مصر پہنچی تو مصر کے اٹھارہ فقیہوں نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا۔ ان سب کے سرگروہ قاضی تقی الدین محمد بن ابی بکر اخنائی مالکی تھے۔ ان کی سب سے بڑی دلیل تھی کہ انبیاء اور خاص کر نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر کی زیارت کے سفر سے روکنا درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تنقیص ہے۔ جو صریح طور پر کفر ہے اور کفر کی سزا قتل ہے۔"

سلطان ناصر نے حکم بھیجا کہ امام موصوف کو دمشق کے قلعہ میں نظربند کر دیا جائے۔ [۱۶] شعبان ۷۲۶ھ کو پیر کے دن عصر کی نماز کے بعد انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ [۱۷] لیکن یہ بات حیران کن ہے کہ ابنِ تیمیہ کے کسی بھی سوانح نگار نے وہ واقعہ نہیں لکھا جس کی طرف نامور محقق پروفیسر این میری شمل نے اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ ابنِ تیمیہ کو دمشق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نعلین پاک کے نقش کی توہین کرنے کی وجہ سے غیر معمولی سزا سنائی گئی۔ [۱۸]

دینِ الٰہی کی اختراع سے قبل شہنشاہ اکبر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اتنی محبت رکھتا تھا کہ ایک مرتبہ حج سے لوٹنے والا شخص "شاہ ابوتراب" اپنے ساتھ ایک ایسا پتھر لایا جس پر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پائے مبارک کا نقش تھا۔ اکبر اس مبارک پتھر کی خاطر چار کوس پیدل گیا اور استقبال کیا [۱۹] اکبر جیسا بے علم شخص شکم پرست علما کے ہاتھ

لگنے سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نعلینِ پاک کی تعظیم کے لیے چار کوس سفر پیدل طے کرتا ہے اور ابنِ تیمیہ نے نقشِ نعلین کی تعظیم کے خلاف تقریریں کرنے کا ارتکاب کیا۔

نقشِ نعلین کی بے ادبی کرنے کا واقعہ محمد ابوزہرہ مصری اور محمد یوسف کوکن عمری نے سرے سے نہیں لکھا۔ ان کی تحقیق کا یہ حال ہے کہ کسی کو بھی ان کی تاریخ وفات کا صحیح علم نہیں۔ محمد ابوزہرہ ۲۰ شوال لکھتے ہیں جبکہ ان کی کتاب کے مترجم سید رئیس احمد ۲۰ ذوالقعدہ ۷۲۸ھ مطابق ۱۳۲۷ء لکھتے ہیں۔[۲۰] محمد یوسف کوکن عمری نے ۲۸ ذوالقعدہ ۷۲۸ھ لکھی ہے[۲۱] جبکہ "مقیاسِ وہابیت" میں بائیس ذیقعدہ ان کے مرنے کا دن بتایا گیا ہے۔[۲۲] تاہم سبھی نے کسی نہ کسی طرح اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ابنِ تیمیہ کی موت جیل میں ہوئی اور اس قید کا سبب حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرنا تھا۔

فقہائے اندلس اور گستاخِ رسولؐ

ابراہیم فرازی ماہرِ علوم اور اپنے زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ وہ قاضی ابوالعباس بن طالب کی علمی مجلس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ جب اس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ خداوندِ تعالیٰ، انبیاء علیہم السلام اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں گستاخیاں کرتا ہے اور استخفاف اور استہزاء کے کلمات استعمال کرتا ہے تو قاضی بن عمرو اور دیگر فقہاء نے اس کو عدالت میں طلب کیا اور اس کی کوتاہیوں کے ثبوت کے بعد اس کے قتل اور پھانسی کا حکم دیا۔ چنانچہ پہلے اس کے پیٹ میں چھری ماری گئی اور اس کے بعد اس کو اٹھا کر سولی پر لٹکایا گیا۔ بعد میں اس کی نعش سولی سے اتار کر جلادی گئی۔[۲۳]

(سپین میں تحریکِ شماتتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

جہاں بھی دو مختلف مذاہب کے پیروکار موجود ہوں اور ایک کا مذہب دوسرے کی مکمل

طور پر نفی کرتا ہو وہاں، باہمی چپقلش ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اگر ایک گروہ اصنام پرست اور دوسرا بُت شکن ہو اور وہ ایک ہی خطے کے مکین ہوں تو ان کا برسرِپیکار ہونا لازمی امر ہے۔ چنانچہ توحید کے پرچارک تثلیث یا ثنویت کے حامیوں کے ساتھ اپنی کوشش کے باوجود صلح و آشتی سے نہیں رہ سکتے۔ اس لیے جب مسلمان مشرق کو زیرِ نگیں بنا لینے کے بعد مغرب میں وارد ہوئے اور وہاں کے عیسائیوں کے ساتھ ایک ہی وطن میں رہنے لگے تو دونوں اقوام کے متصادم نظریات نے ایک چپقلش کو جنم دیا۔ مسلمان اندلس میں حکمران تھے تو انہوں نے عیسائیوں سے رواداری کا سلوک کیا۔ عبدالرحمٰن الاوسط انتہائی رحم دل حکمران تھا۔ اس کے عہد میں سپین میں بہت سے نصرانی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ مسلمانوں کے عمدہ اخلاق نے عیسائیوں کو بہت متاثر کیا اور وہ عربی زبان اور اسلامی تمدن کی طرف مائل ہو گئے۔ نصرانی پادریوں کو اس پر سخت غصہ اور رنج ہوا۔ اسی زمانے کا ایک متعصب عیسائی الوارو رقمطراز ہے۔ "میرے ہم مذہب عیسائی عربوں کی شاعری اور افسانوں سے حظ اٹھاتے ہیں۔ وہ مسلمان فقیہوں اور فلسفیوں کی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں۔ اس غرض سے نہیں کہ ان کی تردید کریں بلکہ اس لیے کہ صحیح اور نفیس عربی لکھنی آجائے۔ پادریوں کو چھوڑ کر آج کونسا عیسائی ہے جو کتب مقدسہ کی تفسیریں لاطینی زبان میں مطالعہ کرتا ہو۔ کونسا عیسائی ہے جو انجیل یا انبیاء اور حواریوں کے حالات پڑھتا ہو۔ افسوس کہ ایسے نوجوان عیسائی جو ذہانت اور لیاقت میں اونچا درجہ رکھتے ہیں، ان کو سوائے عربی کے کسی اور زبان سے واقفیت نہیں"[۲۴]

جونہی عیسائیوں میں مشرقیت بڑھتی گئی، پادریوں کی تشویش میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور مسلمانوں کے خلاف ان کے نفرت بھرے جذبات بڑھتے گئے۔ امیر عبدالرحمٰن کی رواداری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے شماتتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی تحریک شروع کی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے لین پول لکھتا ہے۔

"اندلس میں عیسائیوں کو اپنے مذہبی مراسم آزادی سے انجام دینے کی جو رعایتیں حاصل تھیں، ان کی طبائع کی کج روی سے اس کا عجیب برعکس قسم کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ اندلس

کے پادری، کلیساؤں کے پچھلے اقتدار کو بحال کرنے کے خواہاں تھے لیکن اسلامی حکومت کی اس روادارانہ روش سے ان کو عیسائیوں کے جذبات کے برانگیختہ کرنے کا موقع نہ مل سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے چند غالی مسیحیوں میں یہ خیالات پیدا کیے کہ مذہب کی اصل روح تکلیفیں اٹھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے حکمرانوں کو مشتعل کر کے انسانی جسم اور گوشت پوست کو تکلیفیں پہنچائی جائیں تاکہ روح کا تزکیہ و تقدیس ہو سکے۔ اس تحریک کا بانی قرطبہ کا ایک راہب یولوجیس تھا۔ وہ مجاہدے کی راہبانہ زندگی کی وجہ سے عیسائیوں میں عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس نے چند نوجوانوں میں فدائیت کا جذبہ پیدا کیا کہ اپنی روح کو پاک کرنے کے لیے اس نئے دین اسلام اور اس کے داعی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر سبّ و شتم کریں۔ اسلامی قانون کی رو سے اسلامی حکومت میں شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی سزا قتل ہے۔ گویا یہ نوجوان حضرت مسیح (علیہ السلام) کی پیروی کریں گے اور اپنی جانوں کو قربان کر کے جام "شہادت" نوش کریں گے۔" [۲۵]

حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سبّ و شتم کی اس تحریک کے متعلق محمد احسان الحق سلیمانی رقم طراز ہیں۔

"امیر (عبدالرحمان) کے عہدِ دولت کے آخری ایام عیسائیوں پر سختی اور تشدد کے سبب بہت بُرے گزرے۔ عیسائی مذہبی دیوانے بیہودہ شہرت اور لغو شہادت کی خاطر مسجدوں کو ناپاک بنا دیتے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان عالی میں بیہودہ باتیں کہتے۔ سختی سے کام لیا گیا اور نرمی سے بھی لیکن یہ سلسلہ بند نہ ہوا۔ ان واقعات نے امیر کی صحت پر برا اثر ڈالا اور وہ مرض سکتہ کے سبب ۸۵۲ء میں اللہ میاں کو پیارے ہو گئے" [۲۶]

شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی یہ تحریک امیر عبدالرحمان الاوسط کے دور میں شروع ہوئی اور اس کے فرزند ارجمند امیر محمد بن عبدالرحمان کے عہد میں اپنے انجام کو پہنچی۔ دونوں باپ بیٹوں نے توہینِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ارتکاب کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے کا حکم دیا۔ یہ تحریک ۲۳۴ھ (۸۵۰ء) میں شروع ہوئی اور ۲۴۶ھ

(۸۶۰ء) میں ختم ہوئی۔ [۲۷]

اس دوران، بہت سے شاتمانِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو واصلِ جہنم کیا گیا۔ اسٹینلے لین پول کے بقول ۸۵۱ء کے موسم گرما کے دو مہینے سے کم عرصے کے اندر گیارہ گستاخوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ [۲۸] ہیرلڈ لیور مور تعداد بتائے بغیر بہت سے عیسائی ظالموں کے قتل کیے جانے کا ذکر کرتا ہے۔ [۲۹] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ۵۳۔ افراد کے شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پاداش میں قتل کیے جانے کا تذکرہ ملتا ہے [۳۰] این میری شمل بھی عیسائی گستاخوں کی دانستہ طور پر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے ادبی کرنے کی سزا میں قتل ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں [۳۱]

اب ان بدبختوں کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے جھوٹی شہرت کے لیے اپنی آخرت برباد کر لی

۱۔ یولوجیس

اندلس میں چلائی جانے والی تحریکِ شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا بانی پادری یولوجیس تھا۔ وہ قرطبی خاندان کا آدمی تھا۔ یہ خاندان جس قدر عیسائی مذہب سے شغف رکھتا تھا، اسی قدر اسلام سے عداوت رکھنے میں مشہور تھا۔ یولوجیس کا دادا (اس کا نام بھی یولوجیس ہی تھا) جس وقت مسجد کے مینار سے مؤذن کی آواز سنتا تھا تو اپنے جسم پر نشانِ صلیب بناتا تھا اور داؤد نبی کا یہ زبور گانے لگتا تھا۔ "اے خدا! چپ نہ ہو۔ اے خدا! چین نہ لے، کیونکہ دیکھ تیرے دشمن اودھم مچاتے ہیں اور ان لوگوں نے جو تجھ سے کینہ رکھتے ہیں، سر اٹھایا ہے"۔ یولوجیس کی تعلیم شروع ہی سے اس غرض سے ہوئی تھی کہ پادری بنے۔ خانقاہ سنت زولوس کے پادریوں کی شاگردی میں اس نے رات دن اس قدر محنت کی کہ اپنے ہم مکتبوں ہی سے نہیں بلکہ استادوں سے بھی (مسلم دشمنی میں) بڑھ گیا۔ اس کے بعد وہ پوشیدہ طور پر قرطبہ کے مشہور و معروف علمائے مسیحی بالخصوص رئیس راہبان اسپرا کے درس

میں شریک ہونے لگا جو انتہائی متعصب اور اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اس نے یولو جیس پر اپنا اثر دکھایا اور اسی رئیس راہبان نے اس کے دل میں اسلام کی طرف سے وہ عداوت پیدا کردی جو بعد میں یولو جیس کی طبیعت کا خاصہ ہوگئی۔ [۳۲]

یولو جیس شروع میں سنت زولوس کے گرجا میں شماس کے عہدے پر مقرر ہوا، پھر وہاں کا پادری ہوگیا۔ عیسائی اس کی نیکیوں کی تعریف کرنے لگے۔ یہ بدبخت جہاں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے عداوت رکھتا تھا، وہاں جب بھی کوئی مہوش اور پری جمال چہرہ دیکھتا، اس کی زلفِ پر پیچ کا اسیر ہو کر رہ جاتا۔ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی نے کئی موقعوں پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یولو جیس دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ لکھتا ہے "راہبات کی خانقاہوں کا جا کر معائنہ کرنے میں اس کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔[۳۳]" ایک اور مقام پر لکھتا ہے "باوجود اس سخت اور افسردہ زندگی کے، عشقِ مجازی کی ایک نازک شعاع نے اس کے دل کو روشن کردیا۔" [۳۴]

قرطبہ کے اسی پادری نے ۸۵۰ء میں سرِعام پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی اور بے ادبی کرنے کی تحریک کا آغاز کیا۔ [۳۵] یہ امیر عبدالرحمٰن کا دورِ حکومت تھا۔ یولو جیس نے لاطینی زبان میں کسی عیسائی کی لکھی ہوئی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی سیرت کی کتاب کا مطالعہ کیا جس میں معجزاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس سے اس کے دل میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خلاف نفرت میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اتفاق سے اس کی ملاقات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر سبّ و شتم کرنے کی سزا میں کوڑے کھانے والی فلورا سے ہوگئی۔ پہلی ملاقات ہی میں اس نے یولو جیس کو اپنے دامِ محبت میں اسیر کرلیا۔ ایک خط میں پہلی ملاقات اور کوڑوں کے زخموں کا ذکر کرتے ہوئے یولو جیس اپنے محبوبہ فلورا کو لکھتا ہے۔

"ایک زمانہ تھا کہ تم نے اپنی مجروح گردن جس پر تازیانے کے نشان تھے، مجھے دکھانے کی عزت بخشی تھی۔ افسوس اس وقت وہ خوبصورت لمبے بال جن میں حسین گردن چھپی

رہتی تھی، موجود نہ تھے ---------- نرمی سے میں نے اپنا ہاتھ تمہارے زخموں پر رکھا۔ اے کاش مجھ کو یہ مسرت نصیب ہوئی ہوتی کہ ایک بوسے سے ان زخموں کو اچھا کردیتا۔ مگر ہمت نہ پڑی ------- جس وقت تم سے رخصت ہوا تو زمین پر میرے قدم اس طرح پڑتے تھے جیسے کوئی خواب میں چلتا ہو اور میری آہوں کا یہ حال تھا کہ بند ہونا نہ جانتی تھیں۔" [۳۶]

یہ ہے اُس رسوائے زمانہ شخص کا ذاتی کردار جو خلاصۂ موجودات اور دیباچۂ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جیسی ہستی کے متعلق نازیبا باتیں گھڑتا اور عیسائیوں کو ان کی توہین و تضحیک پر اکساتا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے تحریکِ شاتمتِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے سرگرم ارکان کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ ان میں یولو جیس بھی تھا۔ جب فلورا کو بھی زنداں میں ڈالا گیا تو یہاں بچھڑے دلوں کو ایک بار پھر وصل کی گھڑیاں میسر آئیں۔ جس کا یولو جیس بے چینی سے منتظر تھا۔ یہاں اس نے اپنا رسالہ "یادگارِ شہدا" مکمل کیا اور ۲۴ نومبر ۸۵۱ء کو اپنی محبوبہ فلورا کے قتل پر ایک پُردرد گیت لکھا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن کی وفات سے ایک سال قبل اسے رہا کیا گیا۔ لیکن یہ اپنی مجنونانہ حرکتوں سے باز نہ آیا اور عبدالرحمٰن کے فرزندِ ارجمند کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچا۔ [۳۷] اس کے قتل کے بعد اس کی چلائی ہوئی تحریک خود بخود ختم ہوگئی۔ لیور مور نے لکھا ہے کہ یولو جیس ۸۵۹ء میں سر قلم کیا گیا۔ [۳۸]

۲۔ فلورا

فلورا قرطبہ کی ایک نوجوان اور حسین دوشیزہ تھی۔ اس نے تحریکِ شاتمتِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور خود کو جہنم کا ایندھن بنا کر، اپنی جوانی کی خواہشات کو دل میں بسائے یولو جیس کی آنکھوں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہوگئی۔ فلورا کا باپ مسلمان اور ماں عیسائی تھی۔ باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے اسے عیسائیت کی تعلیم دی۔ بائبل کی اس عبارت سے کہ "وہ شخص جو لوگوں کے سامنے میرا انکار کرے گا، میں اس باپ کے سامنے، جو آسمان میں ہے، اس سے انکار کروں گا۔" اس کے

جذبات برانگیختہ ہوئے۔ وہ بھائی کے گھر سے نکل بھاگی اور عیسائیوں میں جا کر پناہ گزین ہو گئی۔ جب اس کے فرار ہونے کی ذمہ داری عیسائی پادریوں کے سر ڈالی گئی تو وہ گھر واپس آئی اور دینِ مسیحی قبول کرنے کا اعلان کیا۔ بھائی نے اس کو سمجھایا مگر وہ عیسائیت پر قائم رہی۔ اس کا معاملہ شرعی عدالت میں لایا گیا۔ اس کے بھائی نے قاضی سے کہا "یہ میری بہن ہے۔ ہمیشہ اسلام کی عزت کرتی تھی اور میرے ساتھ نماز روزہ کرتی تھی مگر عیسائیوں نے اسے گمراہ کر دیا، ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اس کے دل میں نفرت پیدا کی اور اس بات کا یقین دلا دیا کہ عیسیٰ خدا ہے۔" قاضی نے فلورا سے پوچھا۔ "تمہارا بھائی جو کچھ کہتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟" فلورا نے جواب دیا۔ "قاضی! کیا تو اس بے دین کو میرا بھائی کہتا ہے۔ یہ میرا بھائی نہیں ہے۔ میں اس کو اب اپنا بھائی نہیں سمجھتی۔ جو کچھ وہ کہتا ہے، سب جھوٹ ہے۔ میں کبھی مسلمان نہ تھی۔ میں نے بچپن سے ہمیشہ مسیح پر ایمان رکھا اور مسیح ہی میرا خدا ہے۔"

قاضی نے فلورا کی کم سنی کے باعث اس کے قتل کا حکم جاری کرنے کے بجائے اس کی گردن پر کوڑے لگوائے اور اسے بھائی کے حوالے کر کے کہا "اس کو دینِ برحق کی تعلیم دو۔ اگر پھر بھی وہ اس حالت کو نہ بدلے تو اسے میرے پاس لاؤ۔" اسے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ چند دن بعد وہ چھت پر چڑھ کر وہاں سے گلی میں کود گئی اور ایک عیسائی کے گھر میں روپوش ہو گئی۔ یہیں اس کی ملاقات یولوجیس پادری سے ہو گئی جو اس کے عشق میں پھنس گیا۔ کافی عرصہ کے بعد ایک دن کلیسا گئی اور وہاں میری نامی عیسائی لڑکی سے ملی۔ وہ بھی اس کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ کہتی تھی چنانچہ دونوں قاضی کے پاس آئیں اور آنحضرتؐ کی شان میں گستاخانہ کلمات پے در پے کہے۔ قاضی نے ان کو باز رہنے کی تلقین کی۔ پھر گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیج دیا جہاں یولوجیس پہلے ہی قید تھا۔ یہ دونوں لڑکیاں گستاخی کا ارتکاب کرتی رہیں۔ چنانچہ ۲۴ نومبر ۸۵۱ء کو انہیں قتل کر دیا گیا۔ [۳۹] لین پول اس کے قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ فلورا اگر کسی جائز مقصد پر اپنی جان

قربان کرتی تو اس سے زیادہ ناموری کی مستحق ہوتی۔ [۴۰]

۳۔ پرفیکٹس

پرفیکٹس سنت ایکس کلوس کے گرجا کا ایک پادری تھا۔ عربی زبان پر مہارت رکھتا تھا۔ ایک دن بازار میں کچھ خریدنے نکلا۔ وہاں چند مسلمانوں سے گفتگو کرنے لگا۔ معمولی بات چیت کے بعد مذہب کا ذکر چھڑا۔ مسلمانوں نے پادری سے کہا "تم ہمارے رسولِ مقبولؐ اور مسیح علیہ السلام کے متعلق کیا رائے رکھتے ہو" پادری نے کہا۔ "مسیح میرا خدا ہے۔ تم اپنے پیغمبر کی نسبت نہ پوچھو کہ ہم عیسائی ان کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں۔" جب مسلمانوں نے قاضی کو اس کی گفتگو نہ بتانے کا یقین دلایا تو اس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے متعلق نازیبا کلمات کہے اور ان پر سبّ و شتم کیا۔ ایک دن جب وہ سڑک پر جا رہا تھا تو ان لوگوں نے جن کے سامنے اس نے بیہودہ الفاظ کہے تھے، مسلمانوں کو اس کی نازیبا حرکت کی اطلاع دے دی۔ لوگ اسے پکڑ کر قاضی کے پاس لے گئے اور قاضی سے فریاد کی کہ اس پادری نے ہمارے نبئ کریمؐ کی شان میں نہایت بے ادبی کے الفاظ کہے ہیں۔ قاضی نے پادری سے پوچھا تو اس نے کانپتے ہوئے قطعی انکار کر دیا۔ لیکن قاضی نے شرع کے مطابق اس کے قتل کا حکم سنایا اور اسے بیڑیاں پہنا کر جیل بھیج دیا۔ جہاں اس شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے پھر اپنی سابقہ روش کا اعادہ کیا۔ چنانچہ مقررہ دن اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ [۴۱]

۴۔ یوحنا

یوحنا ایک عیسائی سوداگر تھا۔ وہ اپنا مال بیچنے کے لیے یہ صدا لگایا کرتا تھا "قسم ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی، میرے مال سے بہتر کہیں مال نہ ملے گا۔ چاہے کتنا ہی ڈھونڈو گے"۔ اس کے ہم پیشہ مسلمان تاجروں نے اس سے کہا "یوحنا! تو ہمارے پیغمبرِ خدا کا نام ہر وقت لیتا رہتا ہے کہ جو لوگ تجھ سے ناواقف ہیں وہ تجھے مسلمان سمجھیں۔ ہم ہرگز اس بات کو برداشت نہیں کرتے کہ جھوٹی باتوں پر تو ہمارے رسولِ مقبولؐ کا نام لے کر ان کی قسمیں

کھائے"۔ یوحنا نے معذرت کی کہ اس کی نیت یہ نہ تھی کہ مسلمانوں کے دل کو کسی طرح تکلیف پہنچے۔ جھگڑا زیادہ بڑھا تو اس نے کہا "اچھا اب میں تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا نام کبھی نہ لوں گا۔ اور لعنت ہے اس پر جو نام لے"۔

لوگ یوحنا کو پکڑ کر قاضی کے پاس لائے۔ جس نے اسے چار سو درّے لگانے کا حکم دیا۔ اس سزا کے بعد یوحنا کو گدھے کی دم کی طرف منہ کر کے سوار کرایا گیا اور اس صدا کے ساتھ اس کی تشہیر کی گئی کہ "دیکھو! یہ ہے سزا اس کی جو ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی جناب میں بے ادبی کرتا ہے"۔ اس کے بعد اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر زنداں میں ڈال دیا گیا۔ [۴۲]

۵۔ راہب اسحاق

اسحاق قرطبہ کے عیسائی ماں باپ کا بیٹا تھا۔ عربی زبان خوب جانتا تھا۔ ابھی نو عمر ہی تھا کہ امیر عبدالرحمٰن کے دربار میں اس کو کاتب کی جگہ مل گئی۔ لیکن ۲۴ برس کی عمر میں دنیا سے کنارہ کش ہو کر حبانوس کی مسیحی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو گیا۔ جہاں متعصب پادریوں کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے اس کے دل میں جوش پیدا ہوا کہ وہ اپنی جان دے کر بزرگی حاصل کرے۔ ایک دن وہ خانقاہ سے نکل کر قرطبہ پہنچا اور قاضی کے سامنے آکر کہا "میں آپ کا دین قبول کرنا چاہتا ہوں۔ مہربانی کر کے آپ مجھے اس کی ہدایات کریں"۔ قاضی اس سے خوش ہو کر اسے دینِ اسلام کے متعلق بتانے لگا تو اس نے برملا حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر سبّ و شتم کیا۔ جب قاضی نے سمجھایا تو اس کو بھی بُرا بھلا کہا۔ قاضی نے اسے جیل بھیج دیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بابت حکم جاری کیا کہ اسے پھانسی دی جائے اور اس کی لاش کو کئی دن تک پھانسی پر اس طرح لٹکا رہنے دیا جائے کہ سر نیچے ہو اور پاؤں اوپر ہوں۔ اس کے بعد لاش جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہادی جائے۔ چنانچہ جون ۸۵۱ء میں ان احکام کی تعمیل ہوئی۔ [۴۳]

۶۔ سانکو

اسحاق کے قتل کے دو دن بعد ایک افرنجی عیسائی نے جس کا نام سانکو تھا اور امیر عبدالرحمٰن کی فوج محافظ کا ایک سپاہی اور پادری یولوجیس کا شاگرد تھا، پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو گالیاں دیں اور قتل ہو کر واصلِ جہنم ہوا۔ [۴۴] رائن ہارٹ ڈوزی کے علاوہ لین پول کی کتاب کے ترجمے میں اس کا نام سانچو لکھا ہے۔ [۴۵] شاید اصل نام سینکو تھا۔

۷۔ جرمیاس اور جابنتوس سمیت چھ راہب

سانچو کے قتل کے بعد اتوار کے دن (۷ جون ۸۵۱ء) چھ راہب جن میں ایک اسحاق کا چچا جرمیاس اور دوسرا ایک راہب جابنتوس تھا، جو اپنے حجرے میں ہمیشہ تنہا پڑا رہتا تھا۔۔۔ قاضی کے سامنے آئے اور کہا "ہم بھی اپنے دینی بھائیوں سانکو اور اسحاق کے الفاظ کا اعادہ کرتے ہیں۔ اور پھر پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر سبّ و شتم کرنے لگے۔ یہ چھ کے چھ قتل کر دیئے گئے [۴۶] لین پول نے بھی ان کے نام بتائے بغیر ان کے توہینِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے ارتکاب کرنے اور قتل کر دیئے جانے کا ذکر کیا ہے۔ [۴۷]

۸۔ سیسی نند

سنت ایکس کلوس کے گرجا کا ایک پادری جس کا نام سیسی نند تھا، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی گستاخی کا مرتکب ہو کر واصلِ جہنم ہوا۔ [۴۸]

۹۔ پولوس

پولوس سنت ایکس کلوس کے گرجا میں شماس تھا۔ سیسی نند نے قتل ہوتے وقت اسے اس ذلت کی موت مرنے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ یہ لعین بھی سیسی نند کے قتل کے چار دن بعد ۲۰ جولائی کو حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے خلاف نازیبا کلمات کہنے کے باعث قتل کر دیا گیا۔ [۴۹]

۱۰۔ تھیودو میر

تھیودو میر شہر قرمونہ کا ایک جوان راہب تھا۔ توہینِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم)

کا مرتکب ہو کر مسلم حکومت کے حکم سے قتل ہوا۔ ۵۰

۱۱۔ آئیزک

پرفیکٹس کی طرح آئیزک بھی قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جیسے ہی اس کو مسلمان کرنے کے لیے دینی عقائد اس کے سامنے بیان کیے گئے اس نے بھی سبّ و شتم شروع کر دیا۔ قاضی کے لیے برداشت کرنا دشوار ہو گیا۔ اس نے اس ذلیل کو ایک طمانچہ رسید کر کے کہا کہ جانتا ہے کہ اسلام میں اس کی سزا قتل ہے۔ اس نے کہا کہ وہ جان بوجھ کر یہاں آیا ہے۔ اس لیے کہ خدا فرماتا ہے کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو دین داری کے لیے ستائے گئے۔ آسمان کی بادشاہت انہی کے لیے ہے۔ اس شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو بھی قتل کر دیا گیا۔ ۵۱ شاید آئیزک جرمیاس اور جانبتوس کا ساتھی تھا۔ کیونکہ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی نے میری کے ذکر میں آئیزک کو مذکورہ بالا چھ راہبوں میں شمار کیا ہے۔ ۵۲

۱۲۔ میری

میری، آئیزک کی بہن تھی جو بھائی کے قتل کے بعد رات دن رویا کرتی تھی۔ وہ بھی قرطبہ کی ایک مسیحی خانقاہ کی راہبہ تھی۔ اتفاقاً اس کی ملاقات فلورا سے ہو گئی۔ دونوں نے قاضی کے سامنے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شان میں بے ادبی کی۔ میری نے قاضی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں ان چھ "شہیدوں" میں سے ایک کی بہن ہوں جو تیرے پیغمبر (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو دشنام دے کر قتل ہوا ہے۔ پھر وہ انتہائی گھٹیا الفاظ زبان پر لائی۔ چنانچہ اسے بھی فلورا کے ساتھ ۲۴ نومبر ۸۵۱ء کو قتل کر دیا گیا۔ ۵۳

یہ ان بدنصیب مردوں اور خواتین کا ذکر تھا جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کیا اور ان کو امیر عبدالرحمٰن اور اس کے بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن کے عہد میں قتل کیا گیا۔ شاید ان کے علاوہ بھی کچھ اور لوگوں کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی گستاخی کے جرم میں مصلوب کیا گیا ہو۔ مجھے صرف مذکورہ بالا نام

مل سکے جن کا مختصراً ذکر کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی مشکل ہے یہ کہ مسلم مؤرخین نے اول تو ان کا ذکر کرنا ہی مناسب نہیں سمجھا اور اگر ان کے متعلق کچھ لکھا بھی ہے تو انتہائی مختصر لکھا ہے۔ تاہم مسیحی مورخین نے خوب بڑھا چڑھا کر ان گستاخوں کا تذکرہ کیا ہے۔

تحریکِ شماتتِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا اختتام

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس تحریک کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور زیادہ تر پادری ہی لقمۂ اجل بنے۔ کیونکہ عیسائی امراء امیر عبدالرحمٰن کے اس قدر گرویدہ اور جانثار تھے کہ انہوں نے اپنی متحدہ کوشش سے عوام الناس کو پادریوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھا۔ سب ان خود غرض پادریوں کو یہ جواب دیتے تھے کہ عربوں کی حکومت سے ہم کو کیا نقصان پہنچا ہے جو ہم بلاوجہ تمہارا ساتھ دیں اور اپنی جانوں اور آزادی کو کھو دیں۔ ہم ہر طرح آزاد اور ہماری جان اور مال ہر طرح محفوظ ہے۔ عرب ہمارے مذہب میں بالکل دخل نہیں دیتے۔ ہم بالکل مطلق العنان اور خوش حال ہیں۔ ان فوائد کے عوض محض حکومت کی تمنا میں (جیسا کہ پادری چاہتے تھے) اپنی جان اور مال تلف کر دینا عقل و دانش سے بالکل بعید ہے۔ ۵۴ لین پول لکھتا ہے۔ "ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مسیحی "شہدا" راہِ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ بے شک انہوں نے اپنی عزیز جانوں کو مفت ضائع کیا اور انہوں نے جو کچھ کیا، فی الجملہ برا کیا۔" ۵۵

امیر عبدالرحمٰن نے اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے ایک کلیسائی کونسل بٹھانے کا فیصلہ کیا جو عیسائیوں کو پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے ادبی سے روکے۔ چنانچہ تمام اساقفہ کو ایک مجلس میں جمع کیا گیا اور بادشاہ کی طرف سے ایک عیسائی سرکاری عہدے دار نے اس مجلس میں شرکت کی۔ جس کا نام قومس بن انطونیاں تھا ۵۶ لین پول اس کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے "تمام مجتہدین کی ایک کونسل جس کا صدر نشین اشبیلیہ کا مجتہدِ اعظم تھا، منعقد ہوئی اور اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ اس وقت تک جس قدر لوگ "شہید" ہو چکے ہیں

چونکہ تمام کلیساؤں نے بالاتفاق ان کو "شاہِ ولایت" تسلیم کیا ہے لہٰذا وہ ہر قسم کے جرم و سزا سے بری کیے جائیں مگر آئندہ جو شخص ان کا اتباع کرے گا، وہ مجرم اور خارج از مذہب سمجھا جائے گا[۵۷]

لیکن مفسد و مجنون طبیعتوں نے اساقفہ کے اس حکم سے سرتابی کی اور پادری نے جن کا سرغنہ پولو جینس تھا، اپنی روش سے نہ ہٹے۔ امیر عبدالرحمان کی وفات کے بعد محمد بن عبدالرحمان کے عہد میں پادری پولو جینس کے قتل کے ساتھ یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا[۵۸]

مندرجہ بالا تمام واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے شاتمانِ مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کے ساتھ کبھی نرمی کا سلوک نہیں کیا اور انہیں ہمیشہ واجب القتل سمجھا اور جب کبھی کسی نے حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کیے، اس کی گردن اڑا دی گئی۔ لیکن ذرا غور کیجیے، کیا موجودہ مسلم حکومتیں تحفظِ ناموسِ رسالت کے سلسلے میں اپنے فرائض پورے کر رہی ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ رُشدی کی دل شکن کتاب پر کتنے مسلم ممالک نے اس کے ارتداد اور قتل کا فتویٰ جاری کر کے مسلمانوں کو اسے فنا فی النار کرنے کی ترغیب دلائی؟ فقط ایران نے کیا خمینی کے علاوہ تمام علماء اور ایران کے علاوہ تمام اسلامی ملک اپنے ایمان پر اپنے مفادات کو اور ناموسِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) پر نصاریٰ کی دوستی کو ترجیح نہیں دیتے رہے؟ کیا کویت کے قبضے پر امریکہ و برطانیہ کے حکم پر عراق کے خلاف اقتصادی پابندیوں میں بڑھ چڑھ کر شریک ہونے والے اسلامی ممالک نے شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) سلمان رُشدی کو پناہ دینے والے برطانیہ کے ساتھ سفارتی تعلقات منقطع کیے تھے؟ کیا "خادم الحرمین الشریفین" نے رشدی لعین کی ہرزہ سرائی پر کوئی اسلامی کانفرنس بلا کر کوئی مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کی کوشش کی تھی؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دور کی اسلامی حکومتیں تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے اپنے فرائض سرانجام دینے سے روگردانی کر رہی ہیں۔ ہمارے اپنے ملک میں بوینزا گارمنٹس بنانے

والوں نے جب ہمارے آقا و مولا (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے اسمِ مقدس کی توہین کی تو حکومتِ وقت اور علما حضرات نے کس مصلحت کے تحت اپنی زبانوں پر تالے لگائے رکھے؟ رشدی لعین کے خلاف تحریک چلانے والے علما نے حضور (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی خیالی تصویر شائع کرنے کی ناپاک جسارت کرنے والوں کے خلاف کوئی اخباری بیان تک نہیں دیا۔ ابنِ تیمیہ نے روضۂ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو "شرک" کہا تو حکومتِ وقت نے زنداں میں ڈال دیا اور وہ موت تک جیل میں رہا۔ لیکن ہمارے ہاں اس حدیثِ پاک کا "جس نے میرا روضے کا دیدار کر لیا، اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی" انکار کرنے والے ایک مُلا کو عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) اور شہیدِ اسلام کے خطابات سے نوازا گیا۔ ہمارے ملک کے ایک سابق صدر نے جو گیارہ سال ایک ماہ اور بارہ دن تک بلا شرکتِ غیرے برسرِ اقتدار رہنے کے باوجود اسلامی قانون کے نعرے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، "اے لیمپ سپریڈنگ لائٹ" کے مؤلف کو صدارتی ایوارڈ سے نوازا۔ اتفاق سے علما میں سے کسی صاحبِ علم نے اس کتاب کو پڑھ لیا۔ جب عوام الناس کو اس کا علم ہوا تو شدید احتجاج ہوا۔ مجبوراً حکومت کو کتاب ضبط کرنا پڑی۔ لیکن حکومت نے اس کتاب کے مؤلف لوتھر کو تختہ دار پر لٹکانے کے بجائے اسے تحفظ دیا۔ حیف صد حیف ایسی حکومت پر جو ناموسِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے تحفظ کے بجائے شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا تحفظ کرتی رہی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ علما اور جج صاحبان پر مشتمل ایک ٹریبونل تشکیل دیا جاتا۔ وہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد لوتھر کو سرعام پھانسی دینے کا فیصلہ صادر کرتا تاکہ سب کو پتا چل جاتا کہ اگر کسی نے ایسی حرکت کی تو انجام ایسا ہی ہوگا۔ لیکن حیرت ہے کہ رشدی کی طرح لوتھر اب بھی زندہ ہے۔ کوئی زبان اس کے خلاف نہیں ہلتی۔ کیا شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی سزا قتل نہیں ہے؟ اب تو پاکستانی حکومت نے اسے قانون کا تحفظ بھی فراہم کر دیا ہے لیکن یاد رکھیے جب "ابابیلوں" کے بجائے یہود و نصاریٰ کو کعبے کی حفاظت کے لیے بلایا جانے لگے، جب امیر ترین مسلم ملک کے سربراہ کی رقم سے

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے خلاف کتابیں شائع ہونے لگیں، اسلام صاحبِ اقتدار لوگوں کے مفادات کی بھینٹ چڑھ چکا ہو، خدائی حکم سے منہ موڑ کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھائی جانے لگیں تو حمیتِ دینی، غیرتِ اسلامی اور حبِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ختم ہو جایا کرتی ہے اور جب محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نہ رہے تو پھر مسلمانی کا دعویٰ فقط ایک دعویٰ ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جب حکمران شاتمانِ رسول کو تحفظ دیتے ہوں تو پھر عام مسلمانوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ پھر انہیں غازی علم الدین بن کر ہر راجپال کا گلا کاٹنا پڑتا ہے۔ ہر دریدہ دہن کو اس کی دریدہ دہنی اور ہر کذاب و لعین مصنف کو جو ایک جملہ بھی حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے خلاف لکھے، اس کی تحریر کا مزہ چکھانا صرف حکومتوں ہی کا نہیں، ہر مسلمان کا فرض ہے اور جب بھی کوئی بدبخت ایسی گستاخی کا ارتکاب کرے، مسلمان کو اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیے اور جب مفتیٔ اعظم حضرتِ دل فتویٰ دے دیں تو پھر اپنی جان کی پروا کیے بغیر توہینِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مرتکب کو جہنم رسید کر دینا چاہیے، خواہ انہیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جان اس کے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے قربان ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے مکرم و محترم حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے وفا کرنا سیکھ لے، اسے اپنے خون سے محبت کی داستان رقم کرنا پڑتی ہے اور جو ایسا کر لیتا ہے، وہ نہ صرف قربِ الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے بلکہ لوح و قلم تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں!!
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

حواشی

۱۔ سنن ابوداؤد۔ کتاب الحدود

۲۔ بخاری شریف

۳۔ فتح الباری۔ جلد ۸۔ ص ۱۳

۴۔ الشفا۔ جلد دوم۔ ص ۳۸۵ (مترجم محمد اطہر نعیمی)

۵۔ ایضاً۔ ص ۳۷۵

۶۔ ایضاً۔ ص ۴۴۹

۷۔ نعت (ماہنامہ) لاہور۔ مارچ ۱۹۹۱ء۔ ص ۱۲ (مضمون "کون مسلمان کون کافر" از رائے محمد کمال)

۸۔ الشفا۔ جلد دوم۔ ص ۳۸۷

۹۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۱۳۔ ص ۲۳، تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی جلد سوم۔ صد ۸۲

۱۰۔ الشفا۔ جلد دوم۔ ص ۳۸۷، ۳۸۸

۱۲۔ معین الدین ندوی، شاہ۔ تاریخ اسلام۔ حصہ دوم۔ ص ۶۰۵۔ ناشران قرآن، لاہور

۱۳۔ ایضاً۔ ص ۶۱۰، ابن اثیر۔ جلد ۱۱۔ ص ۸۲، کتاب الروضتین۔ جلد ۲۔ ص ۸

۱۴۔ لعل دین، الحاج۔ آئینہ حج عمرہ و زیارات۔ ص ۱۷۲۔ ۱۷۴۔ خدا داد بٹ سٹریٹ، شالامار ٹاؤن لاہور

۱۵۔ محمد ابو زہرہ مصری۔ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ترجمہ سید رئیس احمد جعفری) ص ۷۶، ۷۷۔ مطبوعہ اہل حدیث اکادمی لاہور

۱۶۔ محمد عمر اچھروی، مولانا۔ مقیاسِ وہابیت۔ ص ۷۰۳۔ المقیاس پبلشرز۔ لاہور

۱۷۔ محمد یوسف کوکن عمری، امام ابنِ تیمیہ۔ ص ۵۷۳۔ ذوالنورین اکیڈمی بھیرہ۔ ص ۱۱۰

۱۸۔ این میری شمل۔ اینڈ محمدؐ از ہز میسنجر۔ ص ۶۵۔ مطبوعہ لندن

۱۹۔ صفدر حیات صفدر۔ عہدِ مغلیہ۔ ص ۲۲۱۔ نیو بک پیلس لاہور

۲۰۔ محمد ابو زہرہ۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ۔ ص ۱۵۷

۲۱۔ محمد یوسف۔ امام ابنِ تیمیہ۔ ص ۵۸۰

۲۲- مقیاسِ وہابیت - ص ۶۰۴

۲۳- الشفا - جلد دوم - ص ۳۷۸

۲۴- رائن ہارٹ ڈوزی، پروفیسر - عبرت نامۂ اندلس - حصہ اول ص ۴۶۱ (مترجم مولانا عنایت اللہ دہلوی) مقبول اکیڈمی لاہور

۲۵- ریاست علی ندوی، سید - تاریخِ اندلس - نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

۲۶- احسان الحق سلیمانی، محمد - مسلمان یورپ میں - ص ۱۵۳ - مقبول اکیڈمی لاہور

۲۷- محمد عنایت اللہ - اندلس کا تاریخی جغرافیہ - ص - ۳۱ ٹریڈ سنٹر لاہور

۲۸- اسٹینلے لین پول - مسلمان اندلس میں - ص ۱۳۳ (مترجم منشی حامد علی صدیقی) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی -

۲۹- ہارلڈ لیور مور - اے ہسٹری آف سپین (انگریزی) ص ۷۷ جارج الون اینڈ الون، لندن

۳۰- دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (انگریزی) ۲۸:۳۱

۳۱- این میری شمل - اینڈ محمدؐ از ہز میسنجر (انگریزی) ص ۶۵

۳۲- رائن ہارٹ ڈوزی - عبرت نامۂ اندلس - حصہ اول - ص ۴۶۵، ۴۴۶

۳۳- ایضاً

۳۴- ایضاً - ص ۴۶۷

۳۵- اے ہسٹری آف سپین - ص ۷۷

۳۶- عبرت نامۂ اندلس - ص ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۷۰

۳۷- لین پول سٹوری آف دی نیشنز سیریز - جلد ۲ - ص ۴۲ تا ۹۴

۳۸- اے ہسٹری آف سپین (انگریزی) ص ۷۷

۳۹- عبرت نامۂ اندلس - جلد ۱ - ص ۴۶۰ تا ۴۹۱/ تاریخِ اندلس از سید ریاست علی

۴۰- لین پول - مسلمان اندلس میں (مترجم منشی حامد علی) ص ۱۳۵

۴۱- عبرت نامۂ اندلس - جلد ۱ - ص ۴۷۱ - ۴۷۳/ لین پول/ مسلمان اندلس میں - ص ۱۳۱

۴۲- عبرت نامۂ اندلس - جلد ۱، ص ۴۷۸ - ۴۷۹

۴۳- ایضاً - ص ۴۷۹ - ۴۸۱

۴۴- ایضاً - ص ۴۸۱

۴۵- لین پول، مسلمان اندلس میں - ص ۱۳۳

۴۶- عبرت نامۂ اندلس - جلد ۱ - ص ۴۸۱

۴۷- مسلمان اندلس میں - ص ۱۳۳

۴۸- عبرت نامۂ اندلس - جلد ۱ - ص ۴۸۱

۴۹- ایضاً - ص ۴۸۲

۵۰- ایضاً

۵۱- سید ریاست علی ندوی - تاریخِ اندلس - ۱۹۸۹ - نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

۵۲- عبرت نامۂ اندلس - جلد ۱ - ص ۴۸۹

۵۳- ایضاً - ص ۴۹۰

۵۴- نواب ذوالقدر جنگ بہادر - خلافتِ اندلس - ص ۹۷ - مقبول اکیڈمی لاہور

۵۵- سٹینلے لین پول - مسلمان اندلس میں - ص ۱۳۵

۵۶- عبرت نامۂ اندلس - جلد ۱ - ص ۴۸۴

۵۷- مسلمان اندلس میں - ص ۱۳۵، ۱۳۶

۵۸- اے ہسٹری آف سپین - ص ۷۷

آبروئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آبروئے مصطفیٰ پر جان بھی قربان ہے ۔۔۔ جان تو کیا چیز ہے، ایمان بھی قربان ہے

آبروئے مصطفیٰ سے آبروئے دین ہے ۔۔۔ اس گلِ تر کی بدولت سب چمن رنگین ہے

آبروئے مصطفیٰ اسلام کی بنیاد ہے ۔۔۔ جوہرِ آئینۂ ایام کی بنیاد ہے!

آبروئے مصطفیٰ پر جو فدا ہو جائے گا ۔۔۔ وہ حقیقت میں حقیقت آشنا ہو جائے گا

آبروئے مصطفیٰ قرآن کی تنویر ہے ۔۔۔ علم کی تفسیر ہے، وجدان کی تطہیر ہے!

آبروئے مصطفیٰ جس کو رہے مدِّ نظر ۔۔۔ اسکے اشکوں میں اجالے، اسکی آہوں میں اثر

آبروئے مصطفیٰ اللہ کو محبوب ہے ۔۔۔ کیوں نہ ہو، آخر اسی محبوب سے منسوب ہے

آبروئے مصطفیٰ عشاق کی معراج ہے ۔۔۔ صوفیا کی قدر و قیمت، اولیا کی لاج ہے

آبروئے مصطفیٰ عکسِ جمالِ حسن ہے ۔۔۔ انتہائے نور و نکہت ہے، کمالِ حسن ہے

آبروئے مصطفیٰ سے عشق و مستی کا وجود ۔۔۔ سوز پنہاں کا تلذذ، سازِ ہستی کی نمود

آبروئے مصطفیٰ سے کل جہاں وابستہ ہے ۔۔۔ ہر زمیں وابستہ ہے، ہر آسماں وابستہ ہے

آبروئے مصطفیٰ فیضانؔ میری جان ہے
یہ ہی میرا دین ہے، یہ ہی مرا ایمان ہے

فیض الرسول فیضانؔ (گوجرانوالہ)

شہیدانِ ناموسِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشترکہ خصوصیات

—— تحریر: شہناز کوثر

محافظانِ ناموسِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کارناموں کا جائزہ لیں تو بعض خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

بنیادی بات تو محبتِ حضور والا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ اِن غازیوں میں یہ جذبہ عام لوگوں سے بہت زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ یہی جذبۂ صادق یہ رنگ لاتا ہے کہ جہاں ان کے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کی کسی نے توہین کی، انھوں نے اِسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ عام طور پر یہ شہیدانِ محبت نوجوان یا جوان تھے، انھوں نے قانونی اصطلاح کے مطابق فوری اشتعال کے تحت شاتمانِ رسولؐ کو جہنم رسید نہیں کیا بلکہ سوچ سمجھ کر یہ قدم اُٹھایا، یہ تو حقیقت ہے کہ ان کے اس جرأت مندانہ اقدام کی بنیاد جذبات ہی ہے لیکن اِن جذبات کی اساس فوری اشتعال یا غصہ نہیں ہے بلکہ یہ عقل کی ہر کسوٹی پر پورے اُترتے ہیں اور مسلمان جتنا بھی اس موضوع پر سوچتا ہے، غور و فکر کرتا ہے، اسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ کسی بھی گستاخِ رسولؐ کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں۔ جو شخص کائنات کے محسنِ اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی توہین کی جسارت کرتا ہے، اللہ کے محبوبؐ کی گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے، اس کا زندہ رہنا انسانیت کی توہین ہے، اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہاری و جباری کو انگیخت کرتا ہے۔ اس کا فوری، مؤثر اور واحد علاج ضروری ہے۔

شہیدانِ ناموسِ رسالت میں سے اکثر کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ حضورِ باعثِ تخلیقِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود ان کے خوابوں کو زندگی بخشی اور انھیں کسی شاتم کا حلیہ دکھا کر یا بتا کر ان کی ڈیوٹی لگادی اور انھیں حیاتِ جاوید کی راہ دکھادی۔

جن غازیوں اور شہیدوں کا ذکر پیشِ نظر ہے، ان سب میں ایک یہ خوبی بھی مشترک دکھائی دیتی ہے کہ انھوں نے پہلے گستاخی کے مرتکب کو وارننگ دی، للکارا اور پھر قتل کیا۔ چھپ کر تو مسلمان ویسے بھی وار کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔ ان غازیوں کے کارناموں کا مقام تو سب سے اعلیٰ ہے، وہ للکار کر اور متنبّہ کرکے یہ سعادت کیوں حاصل نہ کرتے۔

ظاہر ہے کہ قبیلۂ عشّاق کی ان سربرآوردہ شخصیات نے کسی گستاخِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تیا پانچا کیا تو انسانیت پر احسان کیا، اسلامیوں کی طرف سے فرضِ کفایہ پورا کیا، اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبّت کا حق ادا کیا اور، ——— حقیقت میں ایک کارنامہ انجام دیا" ——— اس پر کسی تاسّف، کسی پریشانی کا کیا سوال!۔ ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے تمام حفاظت کاروں کی خصوصیت یہ بھی رہی کہ ان میں سے کوئی موقع سے فرار نہیں ہوا۔ اُنھوں نے یہ بھی کیا کہ قتل سے انکار کی ہر دعوت ٹھکرادی۔ اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں، خیر خواہوں، وکیلوں کی ہر ایسی کوشش کو ناکام بنادیا۔
یہ عظیم کارنامہ انجام دینے کے بعد احساسِ تفاخر نے تو ان کی معاونت کی، اظہارِ مسرّت تو اُن کی ایک ایک ادا سے ہوا ——— پشیمانی کا تو کوئی موقع ہی نہیں تھا، اِن شہیدانِ ناموسِ رسالت نے اپنے اعزّہ واحبّا کو بھی پریشان نہ ہونے اور آہ وبکا نہ کرنے کی تلقین کی۔ جب اُن کو پھانسی کی سزا سنائی گئی، انھوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا، ابتہاج ومسرّت کی صورتیں ان کی صورت سے، ان کے انگ انگ سے

ظاہر ہوئیں۔

اِن جوانمرد غازیوں کے ان کارناموں کا ایک اعلیٰ مشترک تخصص یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی ڈیوٹی پوری کرکے سُکھ کا سانس لیا، اطمینان کا اظہار کیا، عام طور پر یہ وہیں موقع "واردات" پر کھڑے رہے، بیٹھ گئے یا دوبارہ وہاں پہنچے لیکن کتّے کی موت مرنے والوں کے عزیزوں، دوستوں، ہم مذہبوں کو سامنے ہوتے ہوئے بھی ان پر حملہ کرنے یا انھیں نقصان پہنچانے کی ہمت نہ ہوئی۔ جرأت وشہامت کے ان مجسّموں اور غیرت وحمیّت کے اِن پیکروں پر حملہ تو کجا، اُنھیں تو شاید اِن کے پُرنور چہرے کی طرف دیکھنے کا بھی حوصلہ نہ ہوتا ہوگا۔

ایک اہم خصوصیت ان کارناموں کی یہ ہے کہ حضورِ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان باکردار عشّاق کے والدین نے بھی پریشان ہونے، واویلا کرنے اور رونے دھونے کے بجائے اس کارنامے پر خوشی کا اظہار کیا اور اپنے بیٹے کی اس سعادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اس سلسلے کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تمام محافظانِ ناموسِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا وزن جیل کی چاردیواری اور پھانسی کی کال کوٹھڑی میں بڑھ گیا۔ یہ دنیا میں واحد مثال ہے۔ ورنہ پھانسی پانے والا شخص جتنا بھی دلیر ہو اس نے کسی بڑے مقصد ہی کی خاطر قتل کیا ہو، انسانی جبلّت اور خاصیت یہی ہے کہ پھانسی کی سزا کا اعلان ہوجانے کے بعد اس کا وزن گھٹتا ہی گھٹتا ہے، بڑھتا کسی صورت نہیں ——— لیکن ان غازیانِ اسلام، ان شہیدانِ محبّت، اِن محافظانِ ناموسِ رسالت کا وزن جیل کی کال کوٹھڑی اور پھانسی کے اعلان نے بڑھادیا ——— کیوں نہ ہوتا۔ جب اپنا مقام دکھائی دے رہا ہو، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت حاصل ہو رہی ہو، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا

مژدہ سنائی دے رہا ہو، جنت میں اپنے استقبال کی تیاریاں نظر آرہی ہوں
——— خوشی کیوں نہ ہوگی۔ ابتہاج وانبساط کی کیفیتوں کی معیت میں غازی کا
وزن نہیں بڑھے گا تو کیا ہوگا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت وناموس پر قربان ہونے والے
غازیوں میں جو خصوصیات مشترک ہیں ——— ایمان کی تازگی، اور اہلِ محبت کی
روح کی بالیدگی کے لیے اس مضمون میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

شہیدانِ ناموسِ رسالت کی عمر

زیادہ تر غازی اس وقت نوجوان تھے جب انھوں نے شاتمانِ رسول ؐ کو
فنافی النار کیا۔ جوانی میں جوش اور جذبہ بہت شدید ہوتا ہے۔ اس عمر میں انسان
سب کچھ حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ ہر چیز کو تسخیر کر لینا اپنا حق سمجھتا ہے۔ اس لیے
جب غازیوں نے دیکھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کوئی گستاخی کر رہا
ہے تو انھوں نے اپنی جان سے پیارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں
گستاخی کرنے والے ان بدبختوں کو جہنم رسید کر دیا۔ اگر کسی پر غصہ آئے تو چاہیے
فوراً شاتمانِ رسول ؐ کو گالیاں دے کر دل کا غصہ ٹھنڈا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت بھی
پوری ہو جائے گی اور غصہ بھی درست سمت اختیار کرے گا۔ سکون کا سکون اور ثواب
کا ثواب۔

جب غازی خدا بخش نے راجپال پر حملہ کیا تو اس وقت ان کی عمر تیس برس
تھی[1]۔ غازی علم الدین کی شہادت کے وقت عمر اکیس برس تھی[2]۔ جب قائدِ اعظم ؒ
نے عدالت میں علم الدین کے بارے میں تفصیل سے دلائل دیے اور علم الدین کو
بے گناہ ثابت کرنے کے لیے مقدمہ کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی اور کہا کہ اگر یہ

مان بھی لیا جائے کہ ملزم واقعی قاتل ہے تو بھی اس کو سزا پھانسی نہیں بلکہ عمر قید ہونی
چاہیے۔ انھوں نے اس کی تین دلیلیں دیں۔ ان تین دلیلوں میں انھوں نے ایک یہ
بیان کی کہ ملزم کی عمر اٹھارہ انیس سال ہے[3]۔ اسی طرح غازی عبدالقیوم شہید ؒ کی عمر
جب ۲۱، ۲۲ سال کی ہوئی تو ۱۹۳۴ء میں ان کی شادی کر دی گئی۔ شادی کے چند ماہ بعد
وہ کراچی میں اپنے حقیقی ماموں کے پاس چلے گئے جہاں انھوں نے نتھورام کو قتل کیا
اور ۱۹۳۶ء میں شہید ہوئے[4]۔ غازی محمد صدیق شہید ؒ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے اور
۱۹۳۴ء میں شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو قتل کیا۔ اس طرح ان کی عمر
۲۰ برس تھی[5]۔ غازی مرید حسین ؒ ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں شہید ہوئے۔
اس طرح شہادت کے وقت ان کی عمر ۲۲ برس تھی[6]۔ "ضیائے حرم" میں غازی میاں
محمد شہید ؒ کی شہادت کے وقت ان کی عمر کے بارے میں لکھا ہے "شہادت کے وقت
کھلتی ہوئی سفید رنگت والے خوبصورت جوان غازی میاں محمد ؒ کی عمر صرف ۲۳ برس
تھی[7]۔ غازی صوفی عبداللہ شہید ؒ کو جس وقت آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے
ہندو کی زبان بندی کا حکم ملا، اس وقت ان کی عمر ۳۰، ۳۲ سے متجاوز نہ تھی[8]۔

یہ درست ہے کہ زیادہ تر غازیوں نے نوعمری ہی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کی عزت وناموس کی حفاظت کی خاطر کسی شاتمِ رسول ؐ کو قتل کر دیا۔ مگر حضورِ اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کو مار دینے والوں کے لیے
نوعمر ہونا ضروری نہیں کیونکہ یہ سعادت ایک عاشقِ رسول ؐ حاجی غازی محمد مانک ؒ کو بھی
حاصل ہوئی ہے جنھوں نے چوّن سال کی عمر میں مرزائی شاتمِ رسول ؐ عبدالحق کو فنافی النار
کر دیا[9]۔

فوری اشتعال نہیں، غور و فکر کا نتیجہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شیدائیوں نے شاتمانِ رسول ؐ کو سوچ سمجھ کر

جہنم رسید کیا، اشتعال میں آکر نہیں بلکہ عقل و دانش کی کسوٹی میں اچھی طرح پرکھ کر۔
جب غازیوں نے دیکھا کہ دل، دماغ، ایمان اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت
اور آپؐ کی قربت کا یقین اس بات پر منحصر ہے کہ شاتمِ رسولؐ کو قرار واقعی سزا دی جائے
اور اس کم بخت کی سزا صرف اور صرف قتل ہی ہے تو انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اپنے
بارے میں کوئی گالی برداشت نہیں کر سکتا اور وہ مسلمان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم کی شان میں گستاخی پر کس طرح خاموش رہ سکتا ہے جس کے ایمان کی بنیاد ہی
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ محبت پر قائم ہے۔ جو اپنی جان،
مال، اولاد اور ماں باپ سے زیادہ پیارے ہوں، ان کو کوئی ٹیڑھی آنکھ سے بھی
دیکھے تو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

غازی علم الدینؒ کو جب راجپال کی حرکت کا علم ہوا تو ان کی آنکھوں سے مارے
غم کے، آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ گئے، لوگوں
سے معلوم کیا کہ راجپال کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے سارا
دن اپنے دوست رشیدے کے ساتھ جگہ جگہ گئے۔ دوسرے دن بھی معلوم کرتے
رہے تب جا کر معلوم ہوا کہ وہ انار کلی ہی میں ہسپتال روڈ پر رہتا ہے۔ پتا معلوم ہونے
کے دو تین دن کے بعد گھر سے میٹھے چاول کھانے کے بعد بھابھی سے چار آنے مانگے۔
حالانکہ وہ پہلے ایک آنہ لیتے تھے۔ بھابھی سے چار آنے لینے سے ایک روپیہ ہو گیا۔
ہنستے مسکراتے گھر سے نکلے اور بازار سے چھری خریدی اور جا کر راجپال کو جہنم رسید
کر دیا۔" یعنی اُنھوں نے فوراً اسے مارنے کے بجائے کئی دنوں کی سوچ بچار کے بعد اور
پیسے جمع کر لینے کے بعد چھری خرید کر راجپال کو قتل کر دیا۔ "کچھ دوستوں نے کہا
علم الدین! تو کہہ دے میں اُس وقت جذبات کی رو میں بہہ گیا تھا۔
میں اُس وقت ہوش میں نہ تھا تو مردِ مجاہد جواب دیتا ہے

بھائیو! ساری زندگی میں وہی چند لمحے تھے جب میں ہوش میں تھا۔"

غازی عبدالقیومؒ کے وکیل سید محمد اسلم نے "اشتعال" کے قانونی مفہوم کو
بیان کرتے ہوئے یہ نکتہ پیش کیا "سوال یہ نہیں ہے کہ عبدالقیوم کا اقدام ملک
کے قانون کے خلاف ہے۔ سوال یہ ہے کہ عبدالقیوم نے یہ اقدام انتہائی اشتعال
کے عالم میں کیا ہے تو کیوں نہ اسے وہ کم از کم سزا دی جائے جس کی اجازت دفعہ
۳۰۲ کے تحت قانون نے دے رکھی ہے۔ جبکہ غازی عبدالقیومؒ کا اپنا بیان ان کے
اقبالی بیان کے مطابق یہ تھا کہ چار چھ مہینے پہلے میں اپنے آبائی وطن ہزارہ گیا تھا۔
ہزارہ جانے سے پہلے میں نے سنا تھا کہ کسی بنیئے نے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم) کی شان میں گستاخی کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے کچھ لکھ کر شائع کیا
ہے۔ میں اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے معلوم کیا کہ یہ شخص گرفتار کر لیا
گیا ہے اور میں یا کوئی بھی اس سے نہیں مل سکتا۔ کراچی لوٹ کر مجھے معلوم ہوا کہ
اسے ڈیڑھ سال قید بامشقت اور ایک ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی
ہے۔ ہائی کورٹ پہنچ کر مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے اپیل کی ہے اور اپیل
۲۰ ستمبر کو ہوگی۔ میں نے جونا مارکیٹ سے ایک خنجر خریدا اور بخارا کے ایک حاجی سے
اس پر دھار رکھوائی۔ ۲۰ تاریخ کو میں ساڑھے گیارہ بجے عدالت کے کمرے میں
آ بیٹھا۔ لوگوں نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ نتھو رام یہ شخص ہے۔ چنانچہ میں نے
اطمینان کر لینے کے بعد اپنا فرض ادا کیا۔ مجھے اس شخص سے کوئی ذاتی پرخاش
نہیں تھی۔ جو شخص اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے لیے برے کلمات استعمال
کرے گا، وہ گویا اللہ کا مجرم ہوگا۔ میں نے اپنے فرض کے لیے اپنی جان قربان کی
ہے، میں اس بات پر مطمئن ہوں۔ مقدمہ چلا اور مقدمے کے رُخ سے اندازہ ہو گیا
کہ نوجوان قیوم کو پھانسی دے دی جائے گی۔ صفائی کے وکیل بیرسٹر اسلم اور دوسرے

ماہرینِ قانون نے مشورہ دیا کہ عبدالقیوم اگر اپنے بیان میں یہ کہہ دیں کہ میں نے فوری اشتعال کے تحت اور مذہبی جذبات میں بہہ کر قتل کیا ہے تو سزائے موت عمر قید میں بدل سکتی ہے مگر عبدالقیوم نے سادگی سے کہا تو یہی کہ یہ فوری اشتعال نہیں تھا، میں نے خوب سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ اگر یہ شخص میرے اس حملے سے بچ جاتا اور میں بھی قانون کی زد سے بچنے میں کامیاب ہو جاتا تو پھر اسی طرح اس کو تلاش کر کے ہلاک کر دیتا۔ بعض ماہرینِ قانون کا مشورہ تھا کہ عارضی جنون کا سہارا لے کر سزا میں کمی کی درخواست کی جا سکتی ہے۔ یعنی یہ کہا جائے کہ مقتول شخص کے گستاخانہ کلمات سن کر عبدالقیوم خود پر قابو نہ رکھ سکے اور ایک طرح مذہبی جوش میں یہ بھول گئے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا ـ عبدالقیوم نے وکلاء کو یہ طریقۂ کار استعمال کرنے سے منع کر دیا۔ اس نوجوان کا موقف تھا کہ میں نے کمال ہوش مندی کے ساتھ، دلائل پہلے اس گستاخ کو سزا دینے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ جنون نہیں بلکہ عین فرزانگی ہے۔ [۱۲]

غازی مرید حسینؒ نے بھی سوچ سمجھ کر ڈاکٹر رام گوپال کو قتل کیا۔ یہ بات اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ جب رام گوپال کے بارے میں غازی مرید حسینؒ نے اخبار زمیندار میں پڑھا۔ تو سب سے پہلے بھیرہ پہنچے وہاں سے ایک دودھاری خنجر خریدا اور چاچڑ شریف اپنے پیر خواجہ عبدالعزیزؒ کے پاس پہنچے۔ چاچڑ شریف کی روحانی فضا نے مرید حسینؒ کے قلبِ روشن کو اور منور کیا تھا۔ چاچڑ سے براستہ راولپنڈی، پشاور آپ فقیر ایپی اور حاجی ترنگ زئی سے ملنے اس علاقہ میں گئے جسے اس زمانہ میں علاقۂ غیر اور آج کل اپنا علاقہ کہا جاتا ہے۔ اس سفر کے واقعات کے بارے میں زیادہ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی البتہ اتنا پتا چلا ہے کہ "علاقہ غیر" سے واپسی پر پولیٹیکل ایجنٹ کے حکم سے آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ خوش قسمتی سے وہاں وادیٔ چکوال

کا ایک شخص غلام حسین نامی پٹواری متعین تھا۔ آپ کی گرفتاری کا علم ہونے پر اس نے بھرپور کوشش کی۔ اس طرح جلد ہی آپ کی رہائی عمل میں آ گئی۔ پھر پشاور سے رسالپور چھاؤنی میں اپنے ایک قریبی رشتہ دار کے پاس پہنچے۔ وہاں چند روز قیام کے بعد واپس گھر پہنچے۔ بھلّہ سے چکوال گئے وہاں ڈاکخانہ سے اپنی جمع شدہ رقم قریباً سات سو روپے نکلوائی۔ پھر لاہور پہنچے۔ اور لاہور سے دہلی چلے گئے۔ دہلی سے ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد حصار چلے گئے۔ حصار پہنچنے پر پتا چلا کہ ڈاکٹر رام گوپال نے ایک مہینے کی چھٹی لے رکھی ہے اور آج کل پشاور میں ہے۔ آپ پشاور پہنچے تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر پشاور سے نارنوند جا چکا ہے۔ آپ ۱۶ اگست ۱۹۳۶ء کو دوبارہ حصار پہنچے۔ حصار سے "نارنوند" گئے اور آخرکار اس کے گھر میں گھس گئے۔ وہ سو رہا تھا۔ اسے آواز دے کر للکارا اور قتل کر دیا۔ قتل کے بعد نہایت اطمینان سے تمام واقعات بتائے۔ پولیس کے افراد ان کی جرأت و بیباکی پر انگشت بدنداں تھے۔ [۱۳]

میجر غلام یٰسین نے اپنی ایک یادداشت میں لکھا ہے کہ "میاں محمد مرحوم دھیمے مزاج کے نوجوان تھے۔ جلدی غصے میں ہرگز نہ آیا کرتے۔ اپنے متعلق یا قرب و جوار میں جو کچھ بھی ہو، اس کے خلاف سن سکتے تھے لیکن شانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں گستاخی ان کے لیے کسی طرح بھی قابلِ برداشت نہ تھی۔ [۱۴] یہ بات کہ غازی میاں محمد نے سوچ سمجھ کر پورے ہوش و حواس سے نابکار ہندو ڈوگرے چرن داس کو قتل کیا، اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب نعت سن کر چرن داس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو غازی نے پہلے خود چرن داس کو سمجھایا اور پھر افسران کو اس کی شکایت کی مگر وہاں شنوائی نہ ہوتے پر بیرک میں پہنچے اور کپڑے بدل کر نماز پڑھی، نوافل پڑھ کر دعا مانگی۔ "اے میرے خالق و مالک میں نے یہ تہیّہ کر لیا ہے کہ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں

ہرزہ سرائی کے مرتکب کا کام تمام کر دوں۔ لعین سے انتقام لینے کے لیے میں پیچ و تاب کھا رہا ہوں تو مسبّب الاسباب ہے، اپنے حقیر بندے کو حوصلہ اور استقامت عطا فرما۔ خدایا! اپنے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی حُرمت و تقدیس پر جان لڑانے کی توفیق بخش اور میری قربانی بھی منظور فرما لے۔" غازی دعا سے فارغ ہو کر چپکے سے کوارٹر گارڈ جا پہنچے جہاں رسولِ پاکؐ کی شان میں گستاخی کرنے والا کمینہ فطرت ڈوگرہ سپاہی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ غازی میاں محمد شہیدؒ اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے گارڈ روم میں داخل ہوئے۔ اپنی رائفل نکالی، میگزین کو لوڈ کیا اور باہر نکلتے ہی للکارا "کم بخت اب بتا کہ میرے نبیؐ کی شان میں توہین کا مرتکب ہونے پر میں تم سے باز پرس کا حق رکھتا ہوں یا نہیں۔ یہ سن کر ڈیوٹی پر متعین شاتمِ رسولؐ نے بھی پوزیشن سنبھال لی اور رائفل کا رُخ آپ کی طرف موڑا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ناموسِ رسالت کے شیدائی کی گولی ہندو ڈوگرے کو ڈھیر کر چکی تھی۔ [15]

میاں محمد ملک لکھتے ہیں "۱۴، اگست کو جنرل کورٹ مارشل کیس شروع ہوا۔ تین ڈاکٹروں کی شہادت بھی قلمبند ہوئی جنھوں نے غالباً آپ کو بچانے کے لیے مشترکہ رائے دی کہ ملزم جذباتی واقعہ ہوا ہے جس نے وقتی طور پر جذبات سے مغلوب ہو کر یہ انتہائی قدم اٹھایا ہے لیکن غازی میاں محمد نے یہاں بھی سابقہ بیانات دہراتے ہوئے کہا "میں نے بقائمیٔ ہوش و حواس اس گستاخِ رسولؐ کو جہنم واصل کیا ہے۔" [16]

اِس سعادت کے لیے اِن غازیوں کی نامزدگی

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حرمت پر جان قربان کرنے والے ان

بلند قسمت غازیوں میں سے کچھ غازیوں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان غازیوں کو آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خود خواب میں تشریف لا کر حکم دیا کہ فلاں بدبخت نے میری شان میں گستاخی کی ہے۔ اس پر غازیوں نے ان بدبخت کتّوں کو ختم کر کے اپنی قسمت کے ستاروں کو ہمیشہ کے لیے روشن و درخشاں کر لیا۔ ان خوش قسمت غازیوں میں سے ایک غازی محمد صدیق شہید ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خواب میں انھیں فرمایا قصور کا ایک بدنصیب ہندو پے در پے ہماری شان میں گستاخیاں کرتا چلا جا رہا ہے۔ جاؤ اور اُس کی ناپاک زبان کو لگام دو۔ [17] اسی طرح غازی مرید حسینؒ کو جو پابندِ صوم و صلوٰۃ ہونے کے علاوہ ایک دردمند دل رکھتے تھے اور جن کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے بے پناہ محبت تھی، ایک رات خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے زیارت کی سعادت عطا فرمائی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حسینؓ کے اس مرید کو گستاخِ زمانہ کافر کا حلیہ دکھایا۔ جسے بعد میں مرید حسین نے اپنی نوٹ بک میں نوٹ کر لیا۔ [18] غازی عبداللہ شہیدؒ کو بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خواب میں زیارت سے مشرف فرمایا اور حکم دیا "عبداللہ جاؤ۔ فلاں گاؤں پہنچو اور میرے شاتم کی خبر لو۔ [19]

تأسف نہیں، تفاخر

تمام غازیوں کے حالات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شاتمانِ رسولؐ پر حملہ کرنے یا انہیں قتل کر دینے کے بعد کسی قسم کی پشیمانی یا پریشانی کا شکار نہ ہوئے اور نہ اپنی جان قربان ہو جانے کے خیال سے خوفزدہ ہوئے۔

راجپال پر سب سے پہلے ایک غیور مسلمان غازی خدا بخشؒ نے سب سے پہلے قاتلانہ حملہ کیا۔ ۲۶، ستمبر ۱۹۲۷ کی صبح راجپال حسبِ معمول اپنی دکان پر کاروبار

میں مشغول تھا۔ خدا بخش ؒ نامی ایک شخص نے اپنے تیز دھار چاقو سے اس پر حملہ کر دیا۔ جس سے راجپال کو کل چار زخم آئے جن میں ایک تو خاصا گہرا تھا لیکن یہ زخم جان لیوا ثابت نہ ہوئے۔ عدالت میں راجپال نے خدا بخش کے حملے کی روداد سنائی اور کہا کہ میری رائے میں مجھ پر حملہ کتاب "رنگیلا رسول" کی اشاعت اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کا نتیجہ ہے۔ مجھے ملزم سے اب بھی خطرہ ہے کہ یہ مجھے مار دے گا حملے کے وقت بھی ملزم کہے جاتا تھا کہ "کافر تو آج میرے ہاتھ آیا ہے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" جب عدالت نے خدا بخش اکوجھا سے دریافت کیا کہ وہ جرح کے طور پر کوئی سوال کرنا چاہتا ہے تو آپ نے بلند آواز سے کہا "ناموس رسالت ؐ کا تحفظ میرا فرض ہے۔ میں تاجدار مدینہ کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ (گواہ) رنگیلا رسول کا لفظ منہ سے نکال رہا ہے۔ میں اس کی زبان بند کرنا چاہتا ہوں۔[۲۰]

اسی طرح غازی عبدالعزیز ؒ جب راجپال کے دھوکے میں اس کے دوست کو شدید زخمی کر چکے تو گرفتار ہونے پر عدالت نے جو کچھ پوچھا غازی نے سچ سچ بتا دیا۔ جب عدالت نے کہا کہ تمہیں کچھ اور کہنا ہے تو غازی نے جواب دیا "میں اپنے فعل سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔[۲۱]" غازی علم الدین ؒ شہید کو جب بھی کسی نے اقبال فعل سے باز رہنے کو کہا تو آپ نے یہی جواب دیا کہ "تم لوگ مجھے شہادت کے جام سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہو۔ میں ہر جگہ یہی اعلان کروں گا کہ راجپال کو میں نے قتل کیا ہے۔ اس ایک جان کی کیا بات ہے اگر مجھے دس جانیں مل جائیں تو میں وہ بھی ناموس رسالت ؐ کی پاسداری پر قربان کر دوں گا۔ یہ قتل میرے نامۂ اعمال کا اعزاز ہے اور میں اس اعزاز سے محروم ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا۔"[۲۲]

بانی پاکستان اور برصغیر کے نامور وکیل قائد اعظم محمد علی جناح ؒ نے بھی کہا "بیٹا تو ایک دفعہ انکار کر دے۔ تیری جان بچانا میرا کام ہے۔ اس پر غازی علم الدین اٹھا اور کہا کہ میں نے زندگی میں صرف ایک ہی تو ایسا کام کیا ہے جس پر مجھے فخر ہے۔ میں نے گستاخ رسول ؐ اللہ کو مارا ہے، کوئی جرم نہیں کیا اور ببانگ دہل کہتا ہوں کہ راجپال کا قاتل میں ہوں۔"[۲۳] غازی مرید حسین شہید ؒ نے بھی رام گوپال کو قتل کرنے کے بعد جیل میں جب پہلی بار ماں، چچازاد بھائی اور برادری کے ایک بزرگ سے ملاقات کی تو فرط مسرت سے کہنے لگے کہ آپ کو مبارک ہو، اللہ کے فضل سے وہ ضروری کام ہو گیا ہے جس کا ذکر میں اپنے خطوط میں کیا کرتا تھا۔ اور اپنے عزیزوں کو سب واقعات کہہ سنائے۔ مقدمہ کی پیروی کی بات ہوئی تو کہنے لگے "پیروی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ واپس چلے جائیں۔ میں کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ رام گوپال نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی۔ کوئی غیرت مند مسلمان ایسی حرکت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے میری غیرت نے گوارا نہ کیا اور میں نے موذی کو قتل کر دیا ہے"۔[۲۴] اسی طرح غازی میاں محمد شہید ؒ کی والدہ جب پہلی بار آپ ؒ سے ملنے آئیں تو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں ...... غازی صاحب ؒ نے والدہ محترمہ سے عرض کیا "ماں! میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے آپ کو ندامت یا شرمندگی محسوس ہو بلکہ میں نے جو کچھ کیا ہے اُس پر آپ کو خوش ہونا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب آپ مجھ سے ملنے آئیں تو رویا نہ کریں"۔[۲۵] غازی میاں محمد ؒ نے جب ہندو ڈوگرے چرن داس کو قتل کرنے کے بعد موقع پہ اس کا اقرار کیا تو انگریز کمانڈنگ افسر نے غازی کو تاکید کی کہ "میاں محمد! ذرا سوچ کر بات کرو، ہوش میں آؤ، آپ کے ابتدائی بیان قلمبند ہو رہے ہیں۔ ان میں ردوبدل ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس لیے سوچ سمجھ کر بیان دو"۔

غازی صاحب نے جواب دیا "میں بالکل ہوش میں ہوں۔ جو کچھ میں نے کیا، خوب سوچ سمجھ کر کیا۔ میرا ایک ایک حرف صداقت پر مبنی ہے۔ میں نے حوالدار صاحب سے بھی اس گستاخانہ رویے کی شکایت کی تھی لیکن کوئی مثبت جواب نہ ملا۔ اس کے بعد میرے سامنے دو راستے تھے کہ دولت ایمان سے محروم ہو کر بے غیرتی اور بزدلی کی زندگی قبول کر لیتا یا کوئی عملی قدم اٹھاتا۔ میں نے بالآخر دوسری صورت قبول کر لی۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر راضی ہو جائیں اور تمام دنیا بگڑ بیٹھے تو مجھے کیا غم۔ مجھے اپنے کیے پر مطلقاً کوئی پچھتاوا نہیں۔ البتہ اپنے مقدر پر نازاں ضرور ہوں۔" [۲۶]

للکار کر موذیوں کو مارنا

محافظانِ ناموسِ رسالت کی ایک مشترکہ خصوصیت یہ رہی ہے کہ تمام غازیوں نے شاتمانِ رسولؐ کو مارنے سے پہلے وارننگ دی اور پھر قتل کیا۔ مثلاً غازی علم الدین شہیدؒ جب راجپال کے پاس گئے تو "وہ موذی اس وقت دکان میں لیٹا ہوا تھا۔ آپؒ نے اسے للکارا اور کہا "اپنے جرم کی معافی مانگو۔ دل آزار کتاب کو فوراً تلف کرنے کا وعدہ کرو اور آئندہ ایسی کمینہ حرکتوں کے کرنے سے توبہ کرو، وگرنہ مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" [۲۷]

غازی محمد صدیق شہیدؒ نے بھی پالامل کو مارنے سے پہلے اسے وارننگ دی۔ "۱۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کی شام کا واقعہ ہے۔ حضرت قبلہ غازی صاحب (محمد صدیق شہیدؒ) دربار بلھے شاہ کے نزدیک نیم کے درخت سے ٹیک لگائے کھڑے تھے عقابی نگاہیں آنے جانے والوں کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ اتنے میں ایک ایسا شخص دکھائی دیا جس نے چہرے پر کسی حد تک نقاب اوڑھ

رکھا تھا۔ آپؒ نے جھٹ اس کی راہ روکی اور پوچھا تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ یہاں کیا کرتا ہے؟ اسے اپنا نام بتلانے میں تامل تھا۔ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی۔ آپ کو تنہا دیکھ کر اسے بھی حوصلہ ہوا۔ وہ کہنے لگا "مسلمانوں نے پہلے میرا کیا بگاڑ لیا ہے اور اب کون سی قیامت آجائے گی۔ الغرض غازی موصوفؒ نے اسے پہچان لیا تھا کہ یہی وہ گستاخ نبیؐ ہے جسے ٹھکانے لگانے پر میں مامور ہوا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا "میں تاجدارِ مدینہؐ کا غلام ہوں، کئی دنوں سے تیری تلاش میں تھا۔ اے دہن دراز ملیچھ! آج تو کسی طرح بھی ذلت ناک موت سے نہیں بچ سکتا۔" [۲۸]

غازی مرید حسین شہیدؒ جب رام گوپال کے گھر اقدام قتل سے گئے تو وہ آرام سے سو رہا تھا۔ سب سے پہلے غازی نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پھر اس ملعون کو مخاطب کر کے للکارا۔ "او گستاخِ زمانہ کافرا اُٹھ، اج محمدؐ دا پروانہ آگیا ای"۔ غازی کی اس للکار اور رام گوپال کی بیوی کے چلانے سے بدبخت آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھنے کے بعد آپؒ نے اسے قتل کیا۔ [۲۹] غازی میاں محمد شہیدؒ جب چرن داس کو قتل کرنے کے ارادے سے کوارٹر گارڈ پہنچے جہاں چرن داس ڈیوٹی دے رہا تھا تو غازی نے گارڈ روم میں داخل ہو کر اپنی بندوق نکال کر لوڈ کی اور باہر نکل کر اس ملعون کو للکارا "اب بتا اے گستاخِ رسولؐ میں تم سے جواب طلبی کا حق رکھتا ہوں یا نہیں" اس للکار پر اس نے بھی پوزیشن سنبھال لی مگر عاشقِ رسولؐ کی پہلی ہی گولی اسے جہنم رسید کر چکی تھی۔ [۳۰] غازی عبداللہ شہیدؒ جب بدکار چنچل سنگھ کو مارنے گئے تو چنچل سنگھ کو دور ہی سے للکار کر کہا کہ "تیار ہو جاؤ۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا عاشق آن پہنچا ہے۔" [۳۱]

قتل کا اقرار اور اس پر اصرار

ایک اور خصوصیت جو تمام شہیدانِ ناموسِ رسالت میں یکساں نظر آتی ہے، یہ ہے کہ تمام غازیوں نے شاتمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے بعد قتل کا برملا اقرار کیا اور قتل کا اقرار کرنے میں کسی قسم کی حیل وحجت یا سوچ بچار سے کام نہ لیا۔ علم الدینؒ نے جب نابکار راج پال کو اس کی دکان میں گھس کر قتل کر دیا تو قتل کے بعد چند قدم دور ودیا رتن کے ٹال پر پہنچے۔ وہاں نلکے پر راج پال کے ناپاک لہو سے اپنے ہاتھوں کو پاک کیا۔ ہاتھ دھو کر واپس راج پال کی دکان کی طرف لپکے۔ وہاں شور برپا تھا۔ غازیؒ نے پکار کر کہا کہ راج پال کا قاتل میں ہوں۔ ناموسِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ کا فریضہ میں نے ادا کیا ہے۔ یہ کارِ خیر میری قسمت میں لکھا تھا۔ ۳۲

غازی عبدالقیوم شہید کے وکیل سید محمد اسلم نے صفائی کا موقف پیش کیا انھوں نے مقدمے کے بنیادی نکات اور اقدام قتل کے محرکات پر تین گھنٹے تک مدلل بحث کی۔ اِن کی تقریر کے بعض حصے اس قدر اہم تھے کہ اُنہیں قانون و انصاف کی تاریخ میں ہمیشہ زرّیں حروف میں لکھا جائے گا۔ انھوں نے "اشتعال" کے قانونی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے یہ نکتہ پیش کیا "سوال یہ ہے کہ عبدالقیوم نے یہ اقدام انتہائی اشتعال کے عالم میں کیا ہے تو کیوں نہ اسے وہ کم سے کم سزا دی جائے جس کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت قانون نے دی رکھی ہے۔ اگر موجودہ قانون، زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے یا کسی عورت کے معاملے میں قاتل کو "اشتعال" کی رعایت دیتا ہے تو رعایت کا یہ اصول عبدالقیوم کے مقدمہ میں کیوں قابل قبول نہیں ہے۔ جب کہ ایک مسلمان کے لیے ناموسِ رسولؐ پر حملے سے زیادہ اور کوئی

اشتعال انگیزی نہیں ہو سکتی"۔ وکیل صفائی کی تقریر کے دوران میں جج نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ کے اس اظہارِ خیال سے فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ نہیں ہوگا؟ سیّد محمد اسلم نے اس موقع پر جواب دیا۔ "جناب والا! مسلمان، حکومت اور ہندو اکثریت کو یہ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے ہیں کہ ان کے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت کیا حیثیت رکھتی ہے اور اس بارے میں مسلمانوں کے جذبات کیا ہیں مگر ان دونوں نے ذرا توجہ نہ دی۔ اب مجھے عدالت میں یہ واضح کرنے کا موقع مل رہا ہے کہ جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، وہ ناموسِ رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف اُٹھنے والی ہر آواز اور قوت کو ختم کر کے رہے گا۔ اس معاملے میں مسلمان کو تعزیراتِ ہند کی پروا ہے، نہ پھانسی کے پھندے کی۔" لیکن عدالت نے یہ اپیل خارج کر دی۔ غازی کی سزائے موت بحال رہی........ کراچی سے مسلمانوں کے ایک وفد نے علامہ اقبالؒ سے ملاقات کر کے کہا کہ آپ وائسرائے سے ملاقات کر کے اُسے آمادہ کریں کہ غازی عبدالقیومؒ کی سزائے موت عمر قید میں بدل دی جائے۔ علامہ اقبالؒ وفد کی یہ گفتگو سن کر دس بارہ منٹ بالکل خاموش رہے۔ پھر فرمایا "کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے۔ ارکانِ وفد نے کہا "نہیں، اس نے ہر عدالت میں اپنے اقدام کا اقبال اور اعتراف کیا ہے۔ اس نے نہ تو بیان تبدیل کیا اور نہ لاگ لپیٹ اور اینچ پیچ کی کوئی بات کہی ہے۔ وہ تو کھلے خزانے کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے۔ مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش مت کرو۔" یہ گفتگو سن کر علامہ کا چہرہ تمتما اٹھا، انھوں نے برہمی کے لہجے میں فرمایا۔ جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں؟ کیا تم یہ

چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لیے وائسرائے کی خوشامد کروں، جو زندہ رہا تو غازی ہے اور مر گیا تو شہید ہے"۔ [۳۳]

غازی مرید حسینؒ کے مقدمہ میں غازی صاحب کے بیان کی باری آئی تو آپ نے قتل کی تمام وجوہات اور واقعات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا "ڈاکٹر رام گوپال کو شونا تھ اور نہ ہی کسی اور نے قتل کیا بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس نے حضور پاک (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی شان میں گستاخی کی۔ مسلمان اس پر صدائے احتجاج بلند کرتے رہے لیکن ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے سرکارِ برطانیہ کی انتظامیہ حسبِ سابق خاموش تماشائی بنی رہی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلاموں کا غلام ہوں۔ میری غیرتِ ایمانی یہ کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ میری زندگی میں کوئی بدطینت ایسی حرکت کرے اور انجام کو نہ پہنچے۔ چنانچہ میں نے رام گوپال کو دن دہاڑے اور سب کے سامنے علانیہ قتل کر دیا۔ کمپونڈروں کی بدحواسیاں اور وکیلوں کی قانونی موشگافیاں مجھے بچا سکتی ہیں لیکن میں بے گناہ شونا تھ کو پھنسانے اور اپنی جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنے کے لیے ہرگز ہرگز تیار نہیں"۔ جج، وکلا، حاضرین اور آپ کے لواحقین آپ کی ولولہ انگیز اور ایمان افروز حقیقت بیانی پر حیرت و استعجاب کی تصویر بن گئے۔ بہرکیف اقرارِ قتل پر آپ کو دوبارہ سزائے موت سنائی گئی۔ [۳۴]

قتل کرنے کے بعد غازی میاں محمدؒ نے اقرار قتل کیا تو کمانڈنگ افسر مطمئن نہ ہوا۔ اسے شک گزرا کہ شاید میاں محمد نے یہ سب کچھ نشے کی حالت میں کیا ہے۔ اس لیے فوری طور پر آپؒ کو ڈاکٹری معائنے کے لیے بھجوا دیا۔ ڈاکٹر کرنل نور محمد صاحب نے آپ کا طبّی معائنہ کیا اور غازی صاحب کو اِسلامی اخوّت سے سرشار ہو کر کہا "آپ اپنا بیان سوچ سمجھ کر دیں۔ آپ سٹیٹ منٹ کمانڈنگ

افسر کے سامنے دے چکے ہیں۔ اس سے صرفِ نظر تو ہو سکتا ہے لیکن جو بیان آپ اب دیں گے۔ تمام معاملے کا انحصار اسی پر ہو گا۔ اس لیے پہلے بیانوں میں تبدیلی کر لینے ہی میں بہتری ہے"۔ غازی ممدوح نے جواب دیا "ڈاکٹر صاحب! آپ کا خیال ہو گا کہ اگر میں بیان تبدیل کر لوں تو میری جان بچ جائے گی۔ لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ ایک جان تو کیا، اگر میری ہزار جانیں ہوتیں تو میں اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلاموں کی عزتوں پر بھی قربان کر دیتا"۔ [۳۵]

شہیدوں کے والدین کا ردِّ عمل

ہر ایک کو اپنی اولاد سے شدید محبت ہوتی ہے۔ اولاد کی خوشیوں کو پورا کرنا والدین کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔ اولاد کے پیر میں کانٹا چبھ جائے تو بھی ماں باپ برداشت نہیں کر سکتے۔ اولاد ذرا آنکھوں سے اوجھل ہو تو والدین کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ والدین کی بے لوث محبت بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کام آتی ہے۔ جہاں شدید محبت ہوتی ہے، وہاں والدین کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ جو کام ہم نہیں کر سکتے، وہ ہماری اولاد پورا کرے۔ غازیوں کے والدین بھی بجائے غازیوں کے اس اقدام پر ناراضی کے اظہار کے، نہایت خوش ہوتے اور اپنی سب سے عزیز چیز اولاد کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت و حرمت پر خوشی خوشی قربان کر دیا۔

مثلاً غازی علم الدین کے والد میاں طالع مند کو جب معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے نے شاتمِ سرکار کو مار دیا ہے تو انھوں نے کہا "اگر یہ نیک کام میرا بیٹا نہ کر سکتا تو مجھے دکھ ہوتا"۔ [۳۶]

علم الدّین کی شہادت کے موقع پر شہیدؒ کی والدہ نے فرمایا "اگر میرے

سات لٹھ کے ہوتے اور وہ اسی طرح تحفظِ ناموس رسالت ﷺ کے لیے قربان ہو جاتے تو میں زیادہ خوش ہوتی۔" [۳۷]

غازی محمد صدیقؒ نے اپنی والدہ ماجدہ سے عرض کی "مجھے خواب میں ایک دہن دراز کا فرد کھلا کر بتایا گیا ہے کہ یہ ناہنجار توہینِ نبوی کا مرتکب ہو رہا ہے، اسے گستاخی کا مزہ یوں چکھاؤ کہ آئندہ کوئی شاتمِ رسول ﷺ اس امر کی جرأت نہ کر سکے۔ میں قصور اپنے ماموں کے پاس جا رہا ہوں۔ گستاخ موذی وہیں کا رہنے والا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس ذلیل کتے کی ذلت ناک موت میرے ہی ہاتھوں واقع ہوگی۔ نیز مجھے تختۂ دار پر جامِ شہادت پلایا جائے گا۔ آپ دعا فرمائیں کہ بارگاہِ نبوت میں میری قربانی منظور ہو اور میں اپنے اس عظیم فرض کو بطریقِ احسن نبھا سکوں۔" ماں نے بخوشی اجازت دے دی۔ [۳۸]

پھر سیشن کورٹ میں فیصلے کے دن حضرت قبلہ غازی (صدیقؒ) صاحب کی والدہ صاحبہ نے اپنے جواں سال بیٹے کی پیشانی چومتے ہوئے نہایت حوصلہ کے ساتھ فرمایا "میں خوش ہوں جس رسول ﷺ کی شان و عظمت کے تحفظ لیے تم قربان گاہ پر جا رہے ہو، اس رسول ﷺ کی شان قائم رکھنے کے لیے مجھے تم جیسے بیس بیٹوں کی قربانی بھی دینا پڑے تو ربِ کعبہ کی قسم، کبھی دریغ نہ کروں۔" [۳۹]

شہید رسالت ﷺ کا عظیم منصب عطا ہونے پر غازی محمد صدیق شہیدؒ کی والدہ نے دیگر خواتین کو بھی اس موقع پر چیخ پکار سے سختی کے ساتھ منع کر رکھا تھا۔ جب کوئی عورت تعزیت کی غرض سے ان کے پاس آتی تو آپ فرماتیں "یہ غم و اندوہ کیسا؟ حضور ﷺ پر قربان ہونا تو خوشی کا مقام ہے۔" [۴۰]

غازی مرید حسین شہیدؒ کی نعش کو گاڑی سے اُتارا گیا تو آپ کی والدہ ماجدہ نے اعلان کرا دیا کہ کوئی بھی غازی صاحب کو نہ روئے بلکہ سب لوگ کلمہ درود

کا ورد جاری رکھیں۔" [۴۱] غازی مرید حسینؒ کی شہادت کے وقت ان کی والدہ ماجدہ کا نورانی چہرہ ایک عجیب و غریب کیفیت و اطمانیت کا عکاس تھا۔ [۴۲]

غازی میاں محمد شہیدؒ جیسے جوان بیٹے کے شہید ہونے کی خبر پا کر بھی ماں نے کمال صبر کا مظاہرہ کیا۔ گاؤں کی عورتیں جب افسوس کے لیے آئیں تو وہ خود روئیں نہ کسی اور کو رونے دیا۔ بلکہ کہا کہ میرا لڑکا شہید ہوا ہے، مرا نہیں اور یہ باعثِ مبارک ہے۔ [۴۳]

غازی میاں محمدؒ کی شہادت پر ان کے والد بھی خوشی کا اظہار کر رہے تھے ملک نور محمد صاحب کے بقول قبلہ والد صاحب پھانسی کے وقت کوٹھڑی میں بھی موجود تھے بلکہ کنٹوپ بھی انھوں نے اپنے ہاتھ سے بیٹے کو پہنایا تھا اور کلمہ شریف اور درود شریف کا ورد کرتے رہے تھے۔ [۴۴]

موقع سے فرار نہ ہونا، خود گرفتاری دینا

تمام غازی شاتمانِ رسول ﷺ کو قتل کرنے کے بعد اطمینان سے وہیں رہے، بھاگنے کی کوشش نہ کی۔ ورنہ غازیوں کو یہ موقع میسر تھا کہ وہ چاہتے تو بھاگ سکتے تھے۔ مگر ان کا یہ اقدام باعثِ شرم نہیں، باعثِ افتخار تھا، وہ فرار ہو کر ان انعامات و اعزازات سے فرار نہیں چاہتے تھے کہ جن کو دنیا کی نظریں نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر جھوم رہے تھے۔

"راجپال کا کام تمام کرنے کے بعد غازی علم الدینؒ بڑے اطمینان سے ٹال پر پہنچا۔ پانی کے نل پر بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے ملعون راجپال کے ناپاک خون کو صاف کیا اور ابھی پانی پینے ہی والا تھا کہ ایک شور اس کے کانوں میں پڑا۔ راجپال قتل ہو گیا؛ قاتل کو پکڑو، جانے نہ پائے۔" شور مچانے والے سب ہندو

تھے۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں، لاٹھیاں تھیں۔ ٹال کے قریب آکر ان کے قدم خود بخود رُک گئے۔ غازی بڑے سکون سے اپنی تشنگی بجھا رہا تھا۔ تب اس نے شانِ بے نیازی سے تعاقب کرنے والے ہندوؤں کو دیکھا جن کو کسی غیر مرئی طاقت نے کچھ فاصلے پر ہی روک رکھا تھا۔ کسی ہندو میں جرأت نہ تھی کہ بڑھ کر علم الدین کے قریب آئے اور پکڑے۔ غازی علم الدین یہ صورتِ حال دیکھ کر مسکرایا۔ اور پھر خود ہی تھانے کی طرف چل دیا۔ [۴۵]

نتھورام نے "ہسٹری آف اسلام" شائع کی۔ اس کتاب میں ناموس رسالت پر رکیک حملے کیے گئے تھے۔ عبدالقیومؒ نے عدالت میں نتھورام کو قتل کر دیا۔ غازی عبدالقیوم نے پولیس کی گرفت سے بچنے اور فرار ہونے کی ذرّہ برابر کوشش نہیں کی۔ اس نے نہایت ہنسی خوشی کے ساتھ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ [۴۶]

پالامل نامی ایک بدبخت ہندو، مسلمانوں کو ذہنی اذیت پہنچانے کے لیے اسلام کے خلاف باتیں کرتا۔ اولیائے عظامؒ کے متعلق گالیاں بکتا نیز نماز کی نقلیں اُتارتا اور اپنی عجیب و غریب حرکتوں سے ہندوؤں کو خوش کرتا۔ بڑھتے بڑھتے بات پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچ گئی تو پورے شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے محمد کلیم پیر صاحب نے عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ عدالت نے فیصلہ میں لکھا کہ "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ملزم نے واقعی توہینِ رسول ﷺ کی ہے۔ جس سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہوئے اور سخت فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس لیے پالامل شاہ سنار کو چھ ماہ قید اور دو سو روپے کی سزا دی جاتی ہے۔ یہ فیصلہ صرف مسلمانوں کے فساد کے ڈر سے دیا گیا تھا ورنہ چاہیے تو یہ تھا کہ اس کو پھانسی کی سزا دی جاتی۔ اس پر ایک مردِ مجاہد غازی محمد صدیقؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ناموس کی حفاظت کی خاطر اس ہندو کو جا لیا اور عینی

شاہدوں کے مطابق اس وقت تک بدبخت کے سینے سے نہ اُترے جب تک اس کی موت کا یقین نہ ہو گیا۔ برادر محترم رائے محمد کمال اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ "موقع پر موجود افراد کا بیان ہے کہ اگر غازی صاحب فرار ہونا چاہتے تو بآسانی ایسا کر سکتے تھے مگر انھوں نے اپنے کام سے فارغ ہو چکنے کے بعد دوگانہ نماز شکرانہ ادا کی اور قریبی مسجد کی سیڑھیوں پر اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ [۴۷]

حیوانوں کے ڈاکٹر رام گوپال (جس کی حرکت پر حیوان بھی شرمندہ ہوتے ہوں گے) نے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام مبارک کی توہین کی تو مسلمان چیخ اُٹھے اور ایک مردِ مجاہد غازی میاں مرید حسینؒ نے کچھ مشکلات کے بعد آخر اس کو پالیا اور اس کے گھر میں اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ رام گوپال کو قتل کرنے کے بعد خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا مگر اس کے لیے شرط رکھی کہ کوئی کافر قریب نہ آئے۔ وہ کسی مسلمان ہی کو گرفتاری دیں گے۔ [۴۸]

ایک ڈوگرے کو نعت پڑھتے دیکھ کر دوسرے ڈوگرے چرن داس نے اُسے گالیاں دینا شروع کیں۔ اس بدبخت نے آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں بھی غلیظ زبان استعمال کی تو غازی میاں محمدؒ نے اسے خبردار کیا کہ "دوبارہ اپنی غلیظ زبان سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں گستاخانہ جملے کہنے کی جرأت ہرگز نہ کرنا۔" جب تنبیہ پر بھی وہ باز نہ آیا تو غازی میاں محمدؒ نے اس کی شکایت افسرانِ بالا سے کی۔ انھوں نے کوئی نوٹس نہ لیا تو غازی نے اس جہنمی کو قتل کر دیا۔ قتل کے بعد بھاگنے کے بجائے خود بگل بجا کر پلٹن کو خطرے کا الارم دیا۔ [۴۹]

غازی میاں محمد شہیدؒ نے نہ صرف قتل کرنے کے بعد بھاگنے کا موقع ضائع کیا بلکہ "چھاؤنی کے علاقہ میں پولیس کے ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر جنرل خاں بہادر جے ایس اے کریم رہتے تھے۔ ایک دن انھوں نے غازی میاں محمدؒ سے کہا کہ آپ پر کوئی خاص پابندی

نہیں اور مسلمانوں کے علاوہ گورا پلٹن کے سبھی لوگ آپ پر بے حد اعتماد کرتے ہیں۔ اگر آپ کسی طریقہ سے میرے بنگلہ تک آجائیں تو میں آپ کو بحفاظت یہاں سے نکال کر جہاں جانا چاہیں گے، وہاں پہنچادوں گا۔" جواباً آپ نے کہا کہ "آپ کا مطلب ہے کہ میری جان بچ جائے گی۔ کیا آپ گارنٹی دے سکتے ہیں کہ میری موت کا متعین وقت ٹل سکتا ہے۔ میں کسی صورت ان لوگوں کے اعتماد کو دھوکا دے کر بھاگنے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔" [۵۰]

غازی میاں محمد کے نہ بھاگنے کا گورا پلٹن کو اس قدر یقین تھا کہ جب دوسری مرتبہ صوبیدار ملک غلام محمد اپنی بیوی اور چھوٹے بچے عطا محمد کو لے کر مدراس گئے تو ایک دن کورٹ مارشل کیس کا ملزم غازی میاں محمدؒ ایام اسیری میں عام اجازت سے اپنے چھوٹے بھائی کو سائیکل پر بٹھا کر ائرپورٹ پر ہوائی جہاز دکھانے لے گیا۔ آپؒ ننھے بھائی کو چومتے تھے اور کبھی گلے لگاتے اور سیر و تفریح کے بعد برادر حقیقی کے ساتھ پیار محبت کی باتیں کرتے ہنستے مسکراتے ہوئے لوٹ آئے۔ [۵۱]

مردود چنچل سنگھ پہلے مسلمان تھا اور نور محمد نام تھا، ایک عورت کو اغوا کر کے بھاگا تو سکھوں کی پشت پناہی چاہی اس پر سکھوں نے شرط رکھی کہ جب تک تم ہمارے مذہب میں شامل نہیں ہو جاتے، ہم تمھاری مدد نہیں کریں گے۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے، سکھ مذہب اختیار کر لیا۔ سکھوں کے حکم پر اس بدبخت سکھ نے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازیبا کلمات کہنا تھا۔ اس پر غازی عبداللہ نے چنچل سنگھ کو اس وقت مارا جب وہ اپنی معشوقہ کے ساتھ اپنی زمین پر تھا۔ چنچل سنگھ کو مارنے کے بعد غازی محمد عبداللہؒ نے اس کی معشوقہ کو بھی قتل کیا۔ قتل کے بعد "غازی عبداللہ نے چھری زمین پر رکھ دی اور خود بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکر بجالائے۔ جس نے اسے اپنے

حبیب و محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ماننے کی توفیق بخشی۔ پھر اٹھ کر بھاگ نہیں نکلے بلکہ بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے۔ ایک عجیب عالم تھا۔ بدباطن چنچل سنگھ کی گردن کٹی پڑی تھی اور وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ قاتل چند قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا مگر کسی سکھ میں اس کے قریب آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کچھ سکھوں نے بھاگم بھاگ اس سانحے کی اطلاع پولیس کو دی۔ پولیس آئی تو اس وقت بھی وہ بے حد اطمینان سے چنچل سنگھ کی لاش کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا جیسے پولیس کے انتظار میں ہوں۔ پولیس کے سپاہی یہ منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔" [۵۲] غازی امیر احمدؒ نے ایک کتاب میں ایک کارٹون دیکھا اور کانپ کر رہ گئے کیونکہ اس کارٹون پر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لکھا تھا۔ غازی نے اپنے دوست غازی عبداللہ کو اپنے گھر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی اور چل پڑے شاتم رسولؐ کو قتل کرنے کے لیے۔ اس پر ان کے دوست غازی عبداللہؒ بھی ساتھ ہو لیے۔ کہنے لگے کہ آقاؐ صرف تمھارے ہی نہیں، بلکہ ہم سب کے آقا ہیں۔ میں بھی جاؤں گا۔ دونوں دوست کلکتہ پہنچ گئے۔ اس کتاب کا ناشر ہی مصنف بھی تھا۔ ان دونوں نے اسے قتل کر دیا۔ قتل کے بعد وہ سڑک پر کھڑی ٹریفک پولیس کو کہتے ہیں کہ انھوں نے قتل کیا ہے۔ مگر پولیس مارے خوف و دہشت کے بھاگ کھڑی ہوئی۔ آخر انھوں نے بھاگنے کے بجائے خود ہی قریبی تھانے کو فون پر قتل کی اطلاع دی اور خوشی خوشی گرفتار ہو گئے۔ [۵۳]

جامِ شہادت پینے کی خوشی

درحقیقت انسان مرنے سے صرف اس لیے گھبراتا ہے کہ جانے حیاتِ ابدی میں کس حال سے رہنا نصیب ہو لیکن جنھیں اپنا مقام و مرتبہ سامنے نظر آ رہا ہو،

جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کی خوشخبری ہو، وہ تو فوراً اس مقام کو
حاصل کرنے کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے غازی علم الدین شہیدؒ کو
جب کسی نے اقبالِ فعل سے باز رہنے کو کہا تو آپ نے یہی جواب دیا کہ "تم لوگ
مجھے شہادت کے جام سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہو۔ میں ہر جگہ یہی اعلان
کروں گا کہ راجپال کو میں نے قتل کیا ہے۔ اس ایک جان کی کیا بات ہے، اگر
مجھے دس جانیں مل جائیں تو میں وہ بھی ناموسِ رسالت کی پاسداری پر قربان کر دوں
گا۔ یہ قتل میرے نامۂ اعمال کا اعزاز ہے اور میں اس اعزاز سے محروم ہو کر حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ ۵۴

"سیشن جج نے غازی مرید حسینؒ کو سزائے موت سنائی تو مسلمان سخت مضطرب
ہوئے۔ البتہ ہندو خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے کیونکہ اس معاملے میں فتح و شکست
ایک قوم کی فتح و شکست سمجھی جانے لگی تھی۔ چنانچہ مسلمان زعماء اور آپ کے ورثاء
عدالتی فیصلہ سن کر ایک دفعہ اور قسمت آزمائی کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔
آخر کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہائی کورٹ میں سزائے موت کے خلاف
اپیل دائر کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی وکلاء نے ورثاء کو یہ مشورہ دیا کہ وہ غازی
صاحب کو سمجھائیں کہ یا تو وہ قتل سے انکار کر دیں یا ذو معنی باتیں کریں تاکہ معاملہ
الجھ کر رہ جائے۔ اگر یہ بھی انہیں منظور نہ ہو تو کم از کم یہ کریں کہ عدالت میں بالکل
خاموشی اختیار کر لیں اور کوئی بیان نہ دیں۔ وکلاء نے فیصلے کی نقول حاصل کر کے
اپیل دائر کرنے کی تیاری شروع کر دی اور آپ کے عزیز و اقارب نے آپ کو سمجھانے
کے لیے ملاقاتوں کا آغاز کر دیا۔ آپ کو کہا گیا کہ آپ جان بوجھ کر موت کو کیوں
دعوت دے رہے ہیں۔ جب مقدمے کے حالات آپ کے حق میں ہیں تو آپ
کیوں نہیں انکار کر دیتے۔ کیا معلوم زندگی میں اسلام کی خدمت کا پھر کوئی اور

موقع نصیب ہو جائے۔ آپ نے فرمایا "میں جھوٹ بول کر جان بچانے کو بزدلی اور
گناہ سمجھتا ہوں۔ عدالت میں خاموشی اختیار کر لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں موت سے ڈر کر
ایسا کر رہا ہوں۔" اس پر چودھری خیر مہدی اور دوسرے عزیزوں نے ناراض
ہوتے ہوئے کہا "ہم دَر دَر کی خاک چھان رہے ہیں۔ شہر شہر میں دھکے کھاتے
پھر رہے ہیں تاکہ مقدمہ میں کامیابی ہو۔ لیکن آپ ہماری کوششوں پر پانی پھیر
دیتے ہیں۔ آخر ہمارا بھی کچھ خیال کریں۔" آپ اس اظہارِ ناراضگی سے افسردہ سے
ہو گئے اور کہنے لگے "بھائی جان! میں نے تو آپ کو پہلی ملاقات پر ہی کہہ دیا تھا کہ
مقدمے کی پیروی یا وکیل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ جو کچھ کرتے رہے،
اپنی مرضی سے کرتے رہے ہیں۔ آپ کی ہمدردیوں کا شکریہ۔ لیکن میں برادری کو
خوش کرنے کے لیے جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
ناراض نہیں کر سکتا۔ آپ بے شک پیروی چھوڑ دیں اور گھر چلے جائیں۔ آپ مجھے
بچانے کی فکر میں ہیں اور میں شہادت کے لیے بے قرار ہوں۔" ۵۵

غازی میاں محمدؒ کے سلسلے میں جب اٹھارہ گواہوں کے علاوہ تین ڈاکٹروں
کی شہادت بھی ریکارڈ پر آئی۔ جرح کے دوران انھوں نے متفقہ موقف اختیار کیا "کہ
اس آدمی (غازی میاں محمدؒ) نے جو کچھ کیا ہے، ہماری رائے میں وقوعہ کے وقت
اسے اپنے جذبات پر قابو نہ تھا۔" مگر غازی میاں محمدؒ اپنے سابقہ بیان پر ڈٹے رہے
اور کہا "میں نے جو کچھ کیا، خوب سوچ سمجھ کر اور جان بوجھ کر کیا کیونکہ چرن داس نے
ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی۔" کورٹ مارشل
کے دوران ان کو ایک وکیل نے رائے دی کہ آپ یہ کہیں کہ گولی چلانا اپنی جان بچانے
کو جوابی حملہ تھا لیکن غازی صاحبؒ کسی قسم کی تاویل و تحریف پر رضامند نہ تھے۔ انھوں
نے دو ٹوک جواب دیا "میں اپنی جان بچانے کے لیے اس واقعے کو کوئی دوسرا رنگ

نہیں دینا چاہتا۔ بلاعذر و معذرت جان حاضر ہے۔ [۵۶]

غازی محمد عبداللہؒ کو ضلع شیخوپورہ میں کوئی گواہ شناخت نہیں کرسکتا تھا۔ اس بات کی آڑ میں مقدمہ کے دوران بعض مسلمانوں نے اس کو مالی و قانونی امداد کی پیشکش کرنے کے علاوہ یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ اقبالِ جرم نہ کریں تو بآسانی عدالت سے بری ہو سکتے ہیں۔ محبِ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے اس متوالے اور ناموسِ رسالت مآبؐ کے دیوانے نے کسی پیشکش کو قبول نہ کیا اور کہا کہ میں اس ثوابِ عظمیٰ اور سعادتِ دارین سے محروم نہیں رہنا چاہتا۔ [۵۷]

غازیوں نے بڑی بے تابی سے فیصلہ کا انتظار کیا اور فیصلہ سن کر بے حد مسرت کا اظہار کیا۔ دراصل وہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربارِ عالی میں حاضری کے لیے بے حد بے چین تھے۔

فیصلہ سن کر غازی علم الدینؒ نے مسکراتے ہوئے کہا کہ قتل کے ملزم عموماً دو تین تین سال حوالاتوں اور جیلوں میں پڑے سسکتے رہتے ہیں، تب کہیں انہیں تختۂ دار پہ لٹکایا جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ صرف چھ ماہ اور نو دنوں کے اندر اندر میرے مقدمے کے تمام مراحل طے ہو گئے۔ اب میری دلی خواہش ہے کہ میں جلد از جلد اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر بارگاہِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں حاضری دوں۔ [۵۸] جب علم الدینؒ کو بتایا گیا کہ کل علی الصبح پھانسی دے دی جائے گی تو آپ یہ آخری فیصلہ سن کر بے حد خوش ہوئے۔ چہرے پر خون کی لہر دوڑ گئی، رنگ کندن کی طرح چمک رہا تھا۔ [۵۹] ۳۱ اکتوبر بروز جمعرات میانوالی جیل ہی میں اس بطلِ حریت کو تختۂ دار پر چڑھانے کا اہتمام کر لیا گیا۔ اس روز صبح صادق کے وقت جب آپؒ تک پیغامِ دار پہنچایا گیا تو آپ کا چہرہ فرطِ مسرت سے کھل اٹھا۔ آپ نے دو نوافل ادا کیے۔ اور چہرے پر ملکوتی تبسّم لیے جیل حکام کے ساتھ چل پڑے۔ [۶۰]

غازی علم الدینؒ نے بڑے اطمینان اور وقار کے ساتھ چلتے ہوئے تختۂ دار کی طرف آگے بڑھ کر پھندے کو چومتے ہوئے خوشی سے زیبِ گلو کر لیا۔ درود و سلام پڑھتے ہوئے اور کلمہ شہادت باآوازِ بلند پڑھتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر کے حیاتِ جاوداں پائی۔ [۶۱]

غازی علم الدینؒ نے تختۂ دار پر کھڑے ہو کر فرمایا "حاضرین بلاشبہ شاتمِ رسولؐ کا قاتل میں ہوں۔ میں نے اسے جذبۂ عشق سے سرشار ہو کر قتل کیا ہے۔ اب آپ سب میرے کلمے کے گواہ رہنا۔" یہ کہہ کر آپ نے باآوازِ بلند کلمہ شہادت پڑھا۔ پھانسی کا پھندا آپ کے گلے میں ڈال دیا گیا اور آپ نے دار و رسن کو چوما اور درود و سلام کا ورد کرتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ [۶۲]

شہیدِ رسالت غازی محمد صدیقؒ کے بھائی نے بتایا کہ "ہمیں ۵ مارچ ۱۹۳۵ء کو آخری ملاقات کے لیے ضلعی جیل فیروزپور میں پابند کیا گیا۔ ہم لوگ طلوعِ آفتاب کے وقت جیل خانہ کے مین گیٹ پر پہنچ چکے تھے۔ غازی صاحبؒ ہمیں نہایت خندہ پیشانی سے ملے اور تمام وقت ہنس ہنس کر گفتگو فرمائی۔ انھوں نے ہمیں صبر و ضبط کی خاص طور پر تلقین کی۔ فرمایا، خواہش تھی کہ میری زندگی کسی کام آئے اور میرا نام شمعِ نبوتؐ کے جاں نثار پروانوں میں لکھا جائے۔ میں نے قصۂ زندگی کو بفضلہ تعالیٰ لہو کے چھینٹوں سے رنگین بنا لیا ہے۔ ان شاء اللہ کل میری روح گنبدِ خضریٰ کے سائے میں شوخیٔ تقدیر پر سجدۂ تشکر بجا لا رہی ہوگی۔ میرے بعد ہرگز آہ و زاری اور واویلا نہ کریں۔ کہا مجھے صرف قرآن اور صاحبِ قرآن (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے انس ہے، آپ بھی ہمیشہ انہی سے لو لگائے رکھیں۔" [۶۳]

جوں جوں غازی مرید حسینؒ کی شہادت کا وقت قریب آتا جاتا تھا، غازی صاحب کا شوقِ شہادت بڑھتا جاتا تھا۔ آخری ایام میں ملاقات کرنے والوں کا

بیان ہے کہ ان کے چہرے پر وہی مسکراہٹ رقصاں تھی جو موذی کو مارنے کے
موقع پر اور وارثوں کی پہلی ملاقات کے وقت تھی۔ البتہ آپ کا دل وصالِ نبی
(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے لیے بے قرار رہتا تھا۔[64] وقتِ شہادت غازی مرید حسین
درود شریف پڑھ رہے تھے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ نے آپ سے کہا زبان کو حرکت نہ دیں۔
آپؒ نے فرمایا "میں اپنا کام کر رہا ہوں، آپ اپنا کام کیجیے"۔[65]

پھانسی کے وقت غازی میاں محمدؒ کے والد بھی کوٹھڑی میں موجود تھے بلکہ
کنٹوپ انھوں نے اپنے ہاتھ سے پہنایا اور کلمۂ شریف اور درود شریف کا ورد
کرتے رہے۔ غازی موصوف ایک امتیازی شان سے چلتے ہوئے تختۂ دار پر جا کھڑے
ہوئے۔ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ایک بار مدینہ منورہ کی طرف چہرہ اٹھائے دیکھا اور بڑی
عقیدت سے اپنا سر جھکا دیا۔ کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے پھانسی کا پھندا اپنے والد
سے لے کر دوبارہ چوما اور اپنے گلے میں ڈال لیا۔ پھر تختۂ دار کھینچ دیا گیا۔ فضا اللہ اکبر
کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ آپ کے چہرے سے نور برستا تھا اور
ماحول خوشبو سے معطر ہو گیا۔[66]

وزن بڑھنا

غازی علم الدین کے بارے میں ہے کہ:

"۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو غازی موصوف کا وزن ۱۲۸ پونڈ تھا اور شہادت کے دن
ان کا وزن ۱۴۰ پونڈ کے قریب تھا۔ اس قیدی اور دیگر مجرموں میں از حد تضاد واقع
ہوا ہے۔ عام طور پر موت کی سزا سن کر لوگ حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور غم و اندوہ
کی وجہ سے سوکھ کر کانٹا ہو جاتے ہیں مگر غازی موصوف کی کیفیت کچھ اور تھی۔ کمال صبر و
استقلال، چہرے پر رونق اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی اور شب و روز

ان کے جسمانی وزن میں اضافہ ہوتا رہا۔[67]

غازی محمد صدیق شہید کا وزن بھی زمانۂ اسیری میں شہادت تک کئی پونڈ بڑھ گیا تھا۔[68]

۳۱ مئی سے چار جون ۱۹۳۷ء تک مقدمہ کی سماعت کے بعد فوجی قواعد کے مطابق
غازی میاں محمدؒ کا طبی معائنہ ہوا۔ ۱۹ جون ۱۹۳۷ء کو گورنمنٹ مینٹل ہسپتال کے
سپرنٹنڈنٹ کی سفارش پر ایک ماہ کے لیے ۲۵ جون سے ۲۴ جولائی تک آپ کو
ہسپتال میں رکھا گیا۔ اس دوران میں آپ کا وزن مزید ایک پونڈ بڑھ گیا۔[69] ڈاکٹر
صاحب نے اپنی تفصیلی رپورٹ میں اندراج کیا کہ "میں نے پورا مہینہ میاں محمدؒ کو
ٹیسٹ کیا، نفسیاتی جائزہ لیا۔ چھپ کر دیکھا اور ظاہراً بھی۔ لیکن اس عرصے میں یہ
کبھی بھی فکرمند یا سوچ بچار کرتے نہیں پائے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ماہ میں ان کا
وزن ایک پونڈ بڑھ گیا ہے۔ اگر ان کو یہ فکر ہوتی کہ میں قتل کے مقدمے میں ملوث ہوں۔
اور خدا جانے میرا کیا حشر ہوگا تو کسی نہ کسی وقت تو ضرور فکرمند یعنی پریشان ہوتے۔
اس الجھن میں ان کا وزن کم ہوتا نہ کہ زیادہ"۔[70]

غازی میاں محمدؒ کا ایامِ اسیری میں ہر ساتویں دن طبی معائنہ ڈاکٹر میجر مختار احمد
خوشابی کرتے۔ ہر مرتبہ ان کی صحت پہلے سے بہتر ہوتی۔[71]

یہ حقیقت دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ غازی میاں محمد شہیدؒ کو ۲۵ جون ۱۹۳۷ء
کو ملٹری ہسپتال میں داخل کر دینا پڑا۔ ان کا وزن اس وقت ۱۳۳ پونڈ تھا۔ ۲۴ جولائی
۱۹۳۷ء کو انہیں ہسپتال سے ڈسچارج کیا گیا تو ان کا وزن ۱۳۴ پونڈ نکلا اور جب
پھانسی پانے سے چار دن پہلے یعنی ۱۸ اپریل ۱۹۳۸ کو ان کا وزن کیا گیا تو وہ ۱۳۶
پونڈ نکلا۔[72]

حواشی :

(۱) رائے محمد کمال "غازی علم الدین شہیدؒ" ص ۵۸ (۲) ہفت روزہ "ہلال"

راولپنڈی۔ ص ۴،۷ (۳) ماہنامہ حکایت لاہور۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء مضمون قیدی نمبر ۱۰۵
تحریر ایم ایس ناز ص ۲۴ (۴) ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی۔ ۳ اپریل تا ۱۹ اپریل
۱۹۸۷ مضمون "ہزارہ کا ایک نامور سپوت غازی عبدالقیوم" تحریر میجر مولانا قاری فیوض الرحمٰن
ایم اے۔ ص ۸ (۵) نوائے وقت میگزین لاہور ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ء، مضمون غازی محمد صدیق
شہیدؒ۔ تحریر رائے محمد کمال۔ ص ۷، (۶) محمد منیر نوابی ایم اے "عاشقِ رسولؐ غازی
مرید حسین شہیدؒ" ص ۱۶-۸۳ (۷) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور۔ ستمبر ۱۹۸۴ مضمون
"غازی میاں محمد شہیدؒ" تحریر میاں محمد ملک۔ ص ۷۰/ نوائے وقت، روزنامہ، راولپنڈی،
۱۳۔ اپریل ۱۹۸۲ء مضمون "ناموسِ رسالتؐ کا شیدائی غازی میاں محمد شہیدؒ" تحریر میاں
محمد ملک تلہ گنگ ص ۵/ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی۔ ۱۲۔ اپریل ۱۹۷۸، مضمون
"ناموسِ رسالتؐ کا شیدائی غازی میاں محمد شہیدؒ" تحریر میاں محمد ملک تلہ گنگ/ نوائے وقت
۱۲۔ اپریل ۱۹۸۱ء۔ ص ۴ (۸) ماہنامہ نور اسلام شرقپور شریف دسمبر ۱۹۸۶ء مضمون
"ناموسِ رسالت کا پروانہ غازی عبداللہ شہیدؒ"۔ تحریر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ ص ۶/ نوائے وقت
میگزین ۱۶ تا ۲۲ مارچ ۱۹۸۴ء ص ۱۶/ روزنامہ مشرق لاہور ۳۰ جون ۱۹۹۰ مضمون حضرت غازی
محمد عبداللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ تحریر رائے محمد کمال۔ ص ۱۱ (۹) رائے محمد کمال "حیات جاوداں"
ص ۲۶ (۱۰) ظفر اقبال نگینہ "غازی علم الدین شہیدؒ" ص ۲۰-۳۱ (۱۱) ہفت روزہ
"ختم نبوت" کراچی ۸ مئی ۱۹۸۷ء مضمون "غازی علم الدین شہیدؒ" تحریر طاہر رزاق لاہور ص ۱۵
(۱۲) سہ ماہی "صدف" پاکستان نمبر ص ۴۲، ۴۳ (۱۳) محمد منیر نوابی ایم اے
"غازی مرید حسین شہیدؒ" ص ۲۳-۴۹ (۱۴) رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ"
ص ۱۰۵، ۱۰۶ (۱۵) رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ" ص ۸۰-۸۳/ ہفت روزہ "ہلال"
راولپنڈی مضمون غازی مرید حسین شہیدؒ ص ۱۵۳/ ہفت روزہ "ہلال" راولپنڈی ۱۶ تا ۲۲۔ ستمبر
۱۹۸۷ء ص ۲۴/ نوائے وقت راولپنڈی۔ ۲۲۔ اپریل ۱۹۸۱۔ مضمون غازی میاں محمد شہیدؒ

تحریر میاں محمد تلہ گنگ/ نوائے وقت پنڈی۔ ۱۲۔ اپریل ۱۹۷۸ تحریر میاں محمد تلہ گنگ/ نوائے وقت
۱۳۔ اپریل ۱۹۸۲۔ ص ۵/ ماہنامہ "نقیب اہلسنت" ص ۴۴/ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ستمبر
۱۹۸۴ء مضمون غازی میاں محمد شہیدؒ تحریر میاں محمد ملک ص ۶۶/ نوائے وقت میگزین ۱۳ اپریل
۱۹۸۴ تحریر میاں محمد ملک ص ۸ (۱۶) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور۔ ستمبر ۱۹۸۴۔ تحریر میاں محمد ملک
ص ۶۸، ۶۹/ رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ۔ ص ۹۱/ نوائے وقت۔ راولپنڈی ۱۳ اپریل
۱۹۸۲ء ص ۵/ نوائے وقت راولپنڈی ۱۲۔ اپریل ۱۹۷۸/ ماہنامہ "نقیب" اہلسنت۔ ص ۴۵/
نوائے وقت۔ راولپنڈی۔ ۲۰۔ اپریل ۱۹۸۴ (۱۷) روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۲۵ نومبر
۱۹۸۸ء مضمون غازی محمد صدیق شہیدؒ تحریر رائے محمد کمال۔ ص ۷/ غازی محمد صدیق شہیدؒ
مصنف رائے محمد کمال مسودہ۔ (۱۸) محمد منیر نوابی ایم اے "عاشق رسولؐ" غازی مرید حسین
شہیدؒ ص ۱۳۱/ قریشی محمد شریف ظفر پسروری "غازی نامہ" ص ۳/ نوائے وقت، ۷ مارچ ۱۹۸۴
مضمون غازی مرید حسین۔ تحریر خالد محمود کریالہ چکوال/ محمد منیر نوابی "کلام عاشقِ رسولؐ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم ص ۱۰ (۱۹) ماہنامہ نور اسلام شرقپور شریف دسمبر ۱۹۸۶ء مضمون غازی عبداللہ
شہیدؒ تحریر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ ص ۷/ "نور اسلام" شرقپور شریف۔ دسمبر ۱۹۸۸ غازی عبداللہ شہید
تحریر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ۔ ص ۶/ نوائے وقت میگزین ۱۶ تا ۲۲ مارچ ۱۹۸۴ء مضمون غازی
عبداللہؒ تحریر افضل علوی۔ ص ۱۶ (۲۰) رائے محمد کمال غازی علم الدین شہیدؒ۔ ص ۵۸،
۵۹ (۲۱) ایضاً ص ۶۵ (۲۲) امروز ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۷ (۲۳) ہفت روزہ
"ختم نبوت" کراچی ۸ مئی ۱۹۸۷ء مضمون علم الدین شہیدؒ۔ تحریر طاہر رزاق۔ لاہور ص ۱۴
(۲۴) محمد منیر نوابی ایم اے "عاشق رسولؐ" غازی مرید حسین شہید" ص ۵۳، ۵۴۔
(۲۵) رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ۔ ص ۱۲۳، ۱۲۴ (۲۶) ایضاً ۸۴،
۸۵ (۲۷) محمد ابوالفتح "میاں" غازی علم الدینؒ شہید ص ۳۷/ ہفت روزہ ختمِ نبوت"
کراچی ۸ مئی ۱۹۸۷۔ مضمون غازی علم الدین شہیدؒ تحریر طاہر رزاق لاہور۔ ص ۱۴/

ماہنامہ "حکایت" لاہور۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء مضمون قیدی نمبر ۱۰۵۔ تحریر ایم ایس ناز ص ۲۲
(۲۸) روزنامہ نوائے وقت میگزین ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ء، مضمون محمد صدیق شہیدؒ
تحریر رائے محمد کمال۔ ص ۷/ "غازی محمد صدیق شہید" مصنف رائے محمد کمال۔ مسودہ۔
(۲۹) محمد منیر نوابی "کلام عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۱/ نوائے وقت
۷ مارچ ۱۹۸۴ء مضمون "غازی مرید حسین" تحریر خالد محمود دکریالہ چکوال/ قرینی محمد شریف
ظفر پسروری "غازی نامہ نذرانۂ عقیدت بحضور پروانہ شمع رسالتؐ غازی مرید حسین شہیدؒ
ص ۴/ ہفت روزہ "ہلال" راولپنڈی ص ۱۴۹ (۳۰) ہفت روزہ "ہلال" راولپنڈی
۱۶ تا ۲۲ ستمبر ۱۹۸۷ء۔ ص ۲۴/ رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ ص ۸۲، ۸۳/ ماہنامہ
"ضیائے حرم" لاہور" ستمبر ۱۹۸۴ء، ص ۶۶/ نوائے وقت پنڈی ۱۲۔ اپریل ۱۹۸۱/
ماہنامہ "نقیب" اہلسنت۔ اگست ۱۹۸۹ء ص ۴۴/ نوائے وقت پنڈی۔ ۱۲۔ اپریل
۱۹۷۸ء مضمون غازی میاں محمد شہیدؒ تحریر میاں محمد ملک تلہ گنگ/ روزنامہ نوائے وقت
لاہور ۱۳۔ فروری ۱۹۷۵ء از کیپٹن ممتاز ملک/ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۱۲۔ اپریل
۱۹۸۲۔ ص ۵/ نوائے وقت میگزین ۱۳۔ اپریل ۱۹۸۴۔ تحریر میاں محمد ملک (۳۱) ماہنامہ
"نورِ اسلام" شرقپور شریف۔ دسمبر ۱۹۸۶ء۔ تحریر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ۔ ص ۹/ ماہنامہ ضیائے حرم
جنوری ۱۹۸۷ء ص ۷۳/ اسلام کے ایک گمنام شہید کی داستان" ایم اے حکیم ص ۵/
روزنامہ مشرق ۳۰ جون ۱۹۹۰۔ تحریر رائے محمد کمال۔ ص ۱۱ (۳۲) راجا رشید محمود
"غازی علم الدین شہیدؒ، ایس ایس پبلی کیشنز، لاہور ص ۴ (۳۳) ہفت روزہ "ختم نبوت"
کراچی ۳۔ اپریل تا ۹ اپریل ۱۹۸۰ء، مضمون غازی عبدالقیوم تحریر میجر مولانا قاری فیوض الرحمٰن
ایم اے ص ۹، ۱۰/ جنگ ڈائجسٹ مضمون غازی عبدالقیوم شہید تحریر ابوالفضل صدیقی/
ماہنامہ ضیائے حرم لاہور۔ نومبر ۱۹۷۴ء، مضمون غازی عبدالقیوم شہیدؒ، تحریر سیّد
وحید الدین ص ۶۹۔ ۷۱۔ (۳۴) محمد منیر نوابی "عاشقِ رسولؐ غازی مرید حسین شہیدؒ۔

ص ۶۴، ۶۵ (۳۵) رائے محمد کمال "میاں محمد شہید۔ ص ۸۵ (۳۶) راجا رشید محمود
"غازی علم الدین شہیدؒ ص ۴ (۳۷) رائے محمد کمال "علم الدین شہیدؒ۔ ص ۱۳۸۔
(۳۸) روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ "محمد صدیق شہیدؒ رائے محمد کمال
ص ۷/ "غازی محمد صدیق شہید" مصنف رائے محمد کمال۔ مسودہ (۳۹) ایضاً (۴۰)
ایضاً (۴۱) محمد منیر نوابی "عاشقِ رسولؐ غازی مرید حسین شہیدؒ ص ۸۹ (۴۲)
ایضاً ص ۹۱ (۴۳) رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ ص ۶۲ (۴۴) ایضاً
ص ۱۳۷ (۴۵) ماہنامہ "حکایت" لاہور۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء مضمون قیدی نمبر ۱۰۵۔ تحریر
ایم ایس ناز ص ۲۲/ ہفت روزہ اشاعت "امروز" ۹ فروری ۱۹۷۹ء مضمون "غازی علم الدین
شہید ناموسِ رسولؐ پر قربان ہو گئے" تحریر مقبول جہانگیر ص ۴/ نوائے وقت میگزین لاہور
۲۲ جولائی ۱۹۸۳ء مضمون "غازی علم الدین شہید فانی حیات کے بدلے ابدی حیات"
تحریر رخسانہ دلپذیر۔ ص ۵/ نوائے وقت ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۶ء مضمون علم الدین شہید
تحریر ایم۔ ایس ناز/ میاں محمد ابوالفتح "غازی علم الدین شہید ص ۳۸ (۴۶)
ماہنامہ ضیائے حرم لاہور نومبر ۱۹۷۴۔ ص ۶۹/ جنگ ڈائجسٹ مضمون غازی
عبدالقیوم شہیدؒ، تحریر ابوالفضل صدیقی/ ہفت روزہ "ختمِ نبوت" کراچی ۳۔ اپریل تا
۹ اپریل ۱۹۸۰ مضمون غازی عبدالقیوم۔ تحریر میجر مولانا قاری فیوض الرحمٰن ایم اے
ص ۸ (۴۷) نوائے وقت میگزین لاہور، ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ء مضمون غازی محمد صدیق
شہیدؒ، تحریر رائے محمد کمال ص ۷/ غازی محمد صدیق شہیدؒ۔ رائے محمد کمال۔ مسودہ۔
(۴۸) ہفت روزہ "ہلال" راولپنڈی۔ ص ۱۴۹/ کلام عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم مرتبہ محمد منیر نوابی ایم اے۔ ص ۱۲/ عاشقِ رسولؐ غازی مرید حسین شہیدؒ مرتبہ
محمد منیر نوابی۔ ص ۴/ نوائے وقت، مارچ ۱۹۸۴ء، مضمون غازی مرید حسین، تحریر
خالد محمود دکریالہ، چکوال (۴۹) نوائے وقت میگزین ۱۳۔ اپریل ۱۹۸۴ء مضمون

غازی میاں محمد شہیدؒ ص ۸/ روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۱۳ فروری ۱۹۷۵ء مضمون غازی میاں محمد از کیپٹن ممتاز ملک/ ماہنامہ نقیب اہلسنت اگست ۱۹۸۹ء مضمون ناموسِ رسالتؐ کا ایک پروانہ تحریر میاں محمد ملک۔ ص ۴۴/ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ستمبر ۱۹۸۴ء ص ۶۶/ رائے محمد کمال غازی میاں محمد شہید ص ۸۳/ نوائے وقت راولپنڈی ۱۳ اپریل ۱۹۸۲ء ص ۵ (۵۰) ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور ستمبر ۱۹۸۴ء مضمون غازی میاں محمد شہیدؒ تحریر میاں محمد ملک۔ ص ۶۸/ ماہنامہ نقیبِ اہلسنت، اگست ۱۹۸۹ء۔ ص ۴۵/ رائے محمد کمال، غازی میاں محمدؒ شہیدؒ ص ۱۱۳ (۵۱) رائے محمد کمال غازی میاں محمد شہیدؒ ص ۱۱۲، ۱۱۳/ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ستمبر ۱۹۸۴ء ص ۷/ نوائے وقت میگزین ۱۳ اپریل ۱۹۸۴۔ ص ۸/ ماہنامہ نقیب اہلسنت، اگست ۱۹۸۹ء ص ۴۵۔ تحریر میاں محمد ملک تلہ گنگ/ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی۔ ۱۳۔ اپریل ۱۹۸۲ء۔ ص ۵ (۵۲) ماہنامہ نورِ اسلام شرقپور شریف دسمبر ۱۹۸۸ء۔ ص ۵ (۵۳) ماہنامہ ضیائے حرم بھیرہ ستمبر ۱۹۷۸ء مضمون دو عاشقانِ رسولؐ۔ تحریر ضیاء جالوی۔ ص ۶۴ (۵۴) امروز ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء مضمون غازی علم الدین شہیدؒ تحریر پروفیسر محمد اکرم رضا (۵۵) محمد منیر نوابی۔ غازی مرید حسین شہیدؒ ص ۶۵۔ ۶۷ (۵۶) رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ۔ ص ۹۱ (۵۷) روزنامہ مشرق ۳۰ جون ۱۹۹۰ء۔ مضمون غازی محمد عبداللہ شہیدؒ تحریر رائے محمد کمال۔ ص ۱۱ (۵۸) قیدی نمبر ۱۰۵۔ ماہنامہ حکایت لاہور۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء۔ ص ۲۶ (۵۹) کوہستان یکم نومبر ۱۹۶۴ء۔ مضمون غازی علم الدین شہیدؒ تحریر انور سعید (۶۰) امروز ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء۔ مضمون غازی علم الدین شہیدؒ۔ تحریر پروفیسر محمد اکرم رضا/ نوائے وقت میگزین لاہور ۲۲ جولائی ۱۹۸۳ء ص ۵/ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ ص ۲/ ظفر اقبال نگینہ "غازی علم الدین شہید ص ۵۹/ راجا رشید محمود، "غازی علم الدین شہیدؒ"، ص ۶ (۶۱) ہفت روزہ "ختمِ نبوت" کراچی ۸۔ مئی ۱۹۸۷ء ص ۲

(۶۲) پروفیسر محمد اکرم رضا "غازی علم الدین شہیدؒ۔ امروز ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء۔ ص ۵ (۶۳) نوائے وقت میگزین لاہور ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ء ص ۷ (۶۴) محمد منیر نوابی "عاشقِ رسولؐ غازی مرید حسین شہیدؒ ص ۷۹ (۶۵) ایضاً۔ ص ۸۳ (۶۶) ہفت روزہ "ہلال" راولپنڈی ۱۶ تا ۲۲ ستمبر ۱۹۸۷ء ص ۲۵/ نوائے وقت پنڈی۔ ۱۲۔ اپریل ۱۹۷۸ء مضمون غازی میاں محمد شہیدؒ تحریر میاں محمد ملک تلہ گنگ/ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۳ فروری ۱۹۷۵ء مضمون غازی میاں محمد از کیپٹن ممتاز ملک/ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۱۳ اپریل ۱۹۸۲ء مضمون غازی میاں محمد تحریر میاں محمد ملک۔ ص ۵/ نوائے وقت ۱۲ اپریل ۱۹۷۸ء مضمون غازی میاں محمد شہید۔ تحریر میاں محمد ملک تلہ گنگ/ ماہنامہ نقیبِ اہلسنت، اگست ۱۹۸۹ء ص ۴۶/ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور ستمبر ۱۹۸۴۔ ص ۷۔/ رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ ص ۱۳۷ (۶۷) رائے محمد کمال " غازی علم الدین شہیدؒ۔ ص ۱۰۹ (۶۸) رائے محمد کمال "غازی محمد شہیدؒ" مسودہ (۶۹) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ستمبر ۱۹۸۴ء مضمون غازی میاں محمد شہیدؒ تحریر میاں محمد ملک تلہ گنگ۔ ص ۶۸/ رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ۔ ص ۹۰/ ماہنامہ نقیبِ اہلسنت۔ اگست ۱۹۸۹ء۔ ص ۴۵/ نوائے وقت راولپنڈی ۱۲ اپریل ۱۹۷۸

(۷۰) رائے محمد کمال "غازی میاں محمد شہیدؒ۔ ص ۹۰ (۷۱) ماہنامہ نقیبِ اہلسنت اگست ۱۹۸۹۔ ص ۴۵/ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۱۳۔ اپریل ۱۹۸۲ء۔ ص ۵

(۷۲) روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۱۳۔ فروری ۱۹۷۵ء "غازی میاں محمد" از کیپٹن ممتاز ملک۔

تحفظِ ناموسِ رسالت

دہلیزِ تیقن سے وہ محروم جبیں ہے
ناموسِ رسالت کا جسے پاس نہیں ہے

دنیا میں جو ناموس نبوّت کا امیں ہے
گہوارۂ رحمت میں ہے وہ، خواہ کہیں ہے

تکریمِ محمدؐ کا جسے دل سے یقیں ہے
وہ صاحبِ ایماں ہے، وہی صاحبِ دیں ہے

جو شخص نہیں جانتا تعظیمِ محمدؐ
پھر اس کا دوعالم میں ٹھکانا بھی نہیں ہے

وہ جا کہ جہاں دفن ہیں عُشّاقِ رسالت
جنّت کا وہ اک ٹکڑا ہے جو زیرِ زمیں ہے

شمشیر بکف ہیں جو ہلالؔ اُن کی رضا میں
مرنا بھی حسیں اُن کا ہے، جینا بھی حسیں ہے

ـــــــ سید ہلال جعفری (ملتان)

متوقع مقتول ــــ سلمان رشدی

تحریر: راجا رشید محمود

سلمان رشدی نے "آیاتِ شیطانیہ" لکھ کر اپنے آپ کو قتل کا مستحق بنالیا ہے۔ دنیا بھر کے باعزت مسلمانوں اور چند مسلمان حکومتوں نے اس شیطان کے خلاف اپنے جذباتِ دینی کا مظاہرہ کیا۔ اور کچھ خوش قسمت ایسے بھی ہیں جن کے دل اس احساس کے مملو ہیں کہ اس بدبخت کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جائے۔ خدا کرے، جلد از جلد ان میں سے کسی کی امید بر آئے۔

مشہور مصری عالم ڈاکٹر شمس الدین فاسی نے "آیاتِ سماویہ فی الرد علیٰ کتاب آیاتِ شیطانیہ" میں سلمان رشدی کی خرافات کے مجموعے "آیاتِ شیطانیہ" کا مفصل رد کیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے پروفیسر، ڈاکٹر محمد مبارز ملک نے ڈاکٹر فاسی کی کتاب کا ترجمہ "شیطان رشدی اور اس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ" کے نام سے کیا ہے، جو لاہور سے ۱۹۹۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

سلمان رشدی کے بارے میں تفصیلی معلومات عام طور پر دستیاب نہیں ہیں اور ہر مسلمان کا اس سے تعلق صرف متوقع قاتل اور متوقع مقتول کا ہے۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتیوں کا تو ایک ہی فرض ہے کہ جو شخص ان کے آقا و مولا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گستاخی کا مرتکب ہو، یہ جانے بغیر کہ وہ کون ہے، کیا ہے، کلمہ پڑھتا تھا، یا غیر مسلم تھا، ـــــــ اسے قتل کر دیا جائے۔ اس لیے سلمان رشدی کے بارے میں بھی تفصیلی جزئیات عام طور پر دستیاب نہیں ہیں۔ ڈاکٹر شمس الدین فاسی نے لکھا ہے کہ سلمان

ایک مرتد ہندی نژاد انیس رشدی کے ہاں ۱۹۴۷ء میں بمبئی میں پیدا ہوا۔ وہ جو کچھ اسلام کے بارے میں اپنے باپ سے سنا کرتا تھا' وہ اسلام سے دور کرنے والا تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم عیسائی مشنریوں کے ایک سکول میں حاصل کی' گویا وہ کفر کی گود میں پروان چڑھا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد اس کے خاندان نے لندن کی طرف کوچ کیا جہاں اس نے تعلیم حاصل کی۔ کنگز کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ پاکستان گیا' جہاں اسے ٹیلی ویژن کے محکمے میں کام کرنے کا موقع ملا۔ وہاں سے وہ اپنے ملحدانہ خیالات کے باعث معزول کر دیا گیا' اور وہ لندن لوٹ گیا۔ ۱۹۷۵ء میں اس نے اپنی پہلی کتاب "جریموس" شائع کی لیکن کسی نے اسے توجہ کے لائق نہ سمجھا۔ پھر اس نے کلاریسا لارڈ نامی ایک انگریز لڑکی سے شادی کر لی اور کتاب "اطفال منتصف اللیل" شائع کروائی جس میں اس نے مخنث لڑکوں کی حالت بیان کی۔ پھر اس نے "العار" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ پھر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ بعد ازاں ایک امریکی لڑکی ماریان ویگنز سے شادی کر لی۔

"آیاتِ شیطانیہ" پہلے فانکنج برس نے چھاپی لیکن یہ کتاب جمود کا شکار رہی۔ اور فانکنج برس نے اسے ادارہ پنگوئن کو فروخت کر دیا۔ پنگوئن نے اس کتاب کے لیے عالمی منڈی حاصل کر لی۔ ۱

بھارت کے ایک جریدے میں رُشدی کے بارے میں یہ لکھا گیا کہ اس کی ماں کا نام زہرہ بٹ ہے۔ زہرہ بٹ کے خاوند شاغل صاحب کا تعلق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ معاشیات سے رہا ہے اور وہ اب بھی وہیں مقیم ہیں۔ وہ اعظم گڑھ کے انصاری گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ زہرہ بٹ کے والد عبداللہ اجمل خاں طبیہ کالج' علی گڑھ کے پرنسپل بھی رہے' وہ قادیانی تھے۔ زہرہ بٹ اب بھی حیات ہے اور نام بدل کر کراچی میں سکونت اختیار کیے ہوئے ہے۔ زہرہ بٹ سیر کے لیے کشمیر گئی تو وہاں ایک کشمیری کے ساتھ رنگ رلیاں منانے لگی پھر اسی کے ساتھ پہلے بمبئی اور پھر انگلینڈ چلی گئی۔ اسی سے سلمان رشدی پیدا ہوا۔ زہرہ بٹ نے سلمان رشدی کی شادی ایک یہودی لڑکی میری ونگنس سے کر دی۔ ۲

رشدی کے بارے میں ڈاکٹر فاسی کی بیان کردہ معلومات درست ہوں یا جریدہ "جرائم" کی' ------- معاملہ تو یہ ہے کہ اس نے اپنی چوتھی کتاب "سیٹنک ورسز" (آیاتِ شیطانیہ) کے ۵۴۷ میں سے ۸۰ صفحات میں حضور محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم' سیدنا ابراہیم علیہ السلام' آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور صحابۂ کرام خصوصاً حضرت سلمان فارسی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما اور اسلام کے بارے میں دریدہ دہنی کی ہے۔ یہ کتاب ستمبر ۱۹۸۸ء میں پنگوئن گروپ اور وائکنگ پنگوئن نے شائع کی۔ جونہی مسلمانانِ برطانیہ کو پتا چلا' انہوں نے بریڈ فورڈ' بوسٹن' یوتھن' برمنگھم' لنکا شائر اور ہائی ویکمب وغیرہ میں مظاہرے کیے اور کتاب کو نذرِ آتش کیا گیا ۳۔ ۳'۴ مارچ کو ہالینڈ کے دارالحکومت ڈین ہیگ میں اور ٹرڈم میں مظاہرے کیے گئے۔ ۴

۲۴ فروری کو بمبئی میں ایک جلوس نکالا گیا جس پر پولیس نے فائرنگ کی اور دیکھتے ہی دیکھتے پندرہ سے زیادہ مسلمان خون میں نہا گئے ۵۔ "جنگ" کی رپورٹ کے مطابق سری نگر (مقبوضہ کشمیر) میں ایک زبردست مظاہرہ کیا گیا جس میں پولیس کے تشدد سے ایک مسلمان شہید اور سینکڑوں زخمی ہوئے ۶۔ ڈنمارک کے صدر مقام کوپن ہیگن میں دو ہزار مسلمانوں اور فرانس میں ایک ہزار سے زیادہ مسلمانوں نے رشدی کے خلاف مظاہرہ کیا ۷۔ ۱۱ فروری کو مالونوچی (ٹوکیو۔ جاپان) میں پاکستان ایسوسی ایشن جاپان کی خصوصی کوشش سے پانچ سو مسلمانوں نے جلوس نکالا ۸۔ پاکستان میں سب سے پہلے مولانا کوثر نیازی نے روزنامہ جنگ میں کالم لکھا ۹۔ ۱۲ فروری کو امریکن سنٹر' اسلام آباد کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا جس میں پولیس کی کارکردگی سے پانچ نوجوان شہید اور ایک سو افراد زخمی ہوئے ۱۰۔ بارہ سالہ نوید عالم (متعلم جامعہ رضویہ ضیاء العلوم' راولپنڈی) امریکن سنٹر کی دیواریں عبور کر کے چھت پر چڑھ گیا اور امریکی پرچم پھاڑ دیا۔ اس پر پولیس نے گولی چلا دی اور وہ نوید عالم کے سینے کے آر پار ہو گئی ۱۱۔ ۱۳ فروری کو انجمن مدارس عربیہ نے مسلم مسجد لاہور سے جلوس نکالا۔ ۲۳ فروری کو گوجرانوالہ اور سیالکوٹ میں مکمل ہڑتال ہوئی ۱۲۔

مشہور دانشور احمد دیدات (ڈربن، جنوبی افریقہ) نے ہفت روزہ تکبیر کراچی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔ "رشدی کی تحریروں کو ادبِ عالیہ قرار دینے والے ہمیں بتائیں کہ کیا ایسی کتابیں کسی شریف آدمی کی کتابوں والی الماری میں رکھی جاسکتی ہیں؟ یا انھیں کوئی ہاتھ تھامنا بھی گوارا کرسکتا ہے؟ میرے نزدیک تو یہ شخص جنسی جنون کا نفسیاتی مریض ہے ۱۳ پوپ جان پال نے ہدایت کی کہ شیطانی آیات نامی کتاب ویٹیکن سٹی کی سرکاری لائبریری میں نہ رکھی جائے ۱۴

۷ رجب ۱۴۰۹ھ کو روح اللہ الموسوی الخمینی نے رشدی اور ناشرین کے قتل کا فتویٰ دیا جو حسب ذیل ہے۔ "تمام دنیا کے مسلمانوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آیاتِ شیطانی نامی کتاب جو اسلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور قرآنِ کریم کے خلاف لکھی اور شائع کی جاچکی ہے، کا مصنف اور اس کے مندرجات سے باخبر ناشرین واجب القتل ہیں۔ میں غیور مسلمانوں سے تقاضا کرتا ہوں کہ وہ مذکورہ اشخاص کو جہاں کہیں پائیں، فوراً قتل کردیں تاکہ آیندہ کوئی شخص مسلمانوں کے بزرگان دین اور عقائد کی توہین کی جسارت نہ کرسکے۔ نیز جو شخص اس راہ میں اپنی جان دے گا، وہ انشاء اللہ شہید ہوگا اور کسی شخص کو مصنف تک رسائی حاصل ہے لیکن اسے ہلاک کرنے پر قادر نہیں ہے تو وہ دوسروں کو مطلع کرے تاکہ اسے ہلاک کرسکیں" ۱۵ ایرانی حکومت نے اعلان کیا کہ سلمان رشدی کو قتل کرنے والے ایرانی کو ۳۰ لاکھ ڈالر اور غیر ملکی کو دس لاکھ ڈالر دیے جائیں گے ۱۶

آزاد کشمیر کی کابینہ نے کتاب پر پابندی لگادی ۱۷ اس کے علاوہ بھارت، پاکستان، مصر، ایران، سعودی عرب، کویت، ملائیشیا، سری لنکا اور جنوبی افریقہ کے علاوہ کئی ممالک نے کتاب پر پابندی لگادی ۱۸ حکومتی سطح پر یہ خبر آئی کہ "برطانیہ کا پبلشنگ ادارہ پنگوئن جس نے سلمان رشدی کی کتاب "سیٹنک ورسز" (شیطانی کتاب) شائع کی ہے اور جس میں توہینِ رسالت اور اسلام کی ذلت کے سبب دنیا میں بڑا ہنگامہ ہوا ہے، معلوم ہوا ہے کہ اس برطانوی ادارے میں امیر کویت کے ساٹھ فی صد شیئرز ہیں۔ یعنی تقریباً مالکانہ حقوق حاصل

ہیں" ۱۹

حکومتی سطح پر رشدی اور اس کی اس کتاب کے ناشرین کے قتل کا فتویٰ صرف ایران نے دیا۔ اس فتوے کی اشاعت کے بعد سے رشدی دنیا بھر کے اخبارات کا موضوع بن گیا اور اب تک آئے دن اس کے متعلق کوئی نہ کوئی خبر شائع ہوتی ہی رہتی ہے۔ ایک بار تو یہ خبر بھی آئی کہ وہ زمین دوز زندگی گزارتے گزارتے تنگ آگیا ہے اور اپنی کتاب سے مکمل لاتعلقی کا اعلان کرکے امت مسلمہ میں شامل ہونا چاہتا ہے ۲۰ اس پر ایک برطانوی مسلم تنظیم نے اس کے اسلام قبول کرنے کے اس اعلان کو ڈھونگ قرار دیا ۲۱ اور یہ خبر واقعی غلط نکلی۔ ------- اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ اسلام میں ہر جرم، ہر گناہ پر توبہ کی گنجائش ہے۔ سوائے توہینِ رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔ یہ واحد گناہ ایسا ہے کہ اس کا کوئی ازالہ نہیں، کوئی توبہ نہیں۔ جو شخص اس حرکت کا مرتکب ہو، وہ نام نہاد مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس کا واحد علاج قتل ہے۔

سلمان رشدی اور اس کی کتاب کے ناشرین قتل کے فتوے کے بعد سے چوروں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ مسلح گارڈز اور حساس آلات پر لاکھوں پاؤنڈ کا خرچہ برداشت کررہے ہیں، کئی جگہوں سے اب تک دھماکہ خیز مواد برآمد ہوچکا ہے۔ کتاب کے پبلشرز کو ہزاروں دھمکی آمیز خط مل چکے ہیں ۲۲

مارچ ۱۹۹۱ء کے دوران لاہور کے بعض اخبارات میں اس نوعیت کی خبریں شائع ہوئیں کہ ایران رشدی کے خلاف فتویٰ واپس لے رہا ہے۔ لیکن رشدی کی کتاب پر تہران میں سہ روزہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے امام خمینی کے بیٹے حجتہ الاسلام احمد خمینی نے کہا کہ بھارت نژاد سلمان رشدی کو اسلام کے پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اسلام کے بارے میں کفر بکنے پر موت کی جو سزا دی گئی ہے، وہ تبدیل نہیں ہوسکتی ۲۳

ڈاکٹر شمس الدین فارسی کی کتاب کے علاوہ برطانیہ کے مسلمان سکالر ضیاء الدین سردار نے بھی سلمان رشدی کی کتاب کے جواب میں کتاب لکھی ہے ۲۴

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے دشمن وقتاً فوقتاً یہ دیکھنے کے لیے کہ مسلمانوں میں غیرت و حمیت کا جوہر کس حد تک زندہ ہے' اس قسم کی کوئی نہ کوئی حرکت کرتے رہتے ہیں۔ آج سے کوئی ڈیڑھ سال پہلے کراؤن پبلشرز ' نیویارک نے "ایشیا ' مشرق وسطیٰ اور افریقہ میں بادشاہت" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس کے صفحہ ۶۶ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین فرضی تصاویر شائع کی گئیں ۲۵

۱۹۸۸ء میں چین میں جنسی عادات نامی ایک ناپاک شائع کی گئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر چھینٹے اڑانے کی کوشش کی گئی۔ اس پر چین کے مسلمانوں نے اتنا زبردست احتجاج کیا کہ حکومت نے کتاب نہ صرف ضبط کرلی بلکہ نوّے ہزار نسخے بر سرِ عام جلا ڈالے ۲۶

لیکن اس سلسلے میں جو بات سخت تکلیف دہ ہے' وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے غیرتِ ایمانی کے یہ مظاہرے ہنگامی ہوتے ہیں اور کبھی کبھار تو ان مظاہروں کے پس پردہ کوئی حزبی' مقامی یا محدود مفاد بھی ہوتا ہے۔ پیپلز پارٹی کے عہدِ حکومت میں' ان حضرات نے جو پیپلز پارٹی کے خلاف تھے' تحفظ ناموسِ رسالت کے عنوان سے اسلام آباد میں ایک مظاہرہ کیا جس میں کچھ غیور مسلمان شہید اور کچھ زخمی ہوئے۔ لیکن جونہی پیپلز پارٹی کی حکومت ختم ہوئی' تحفظِ ناموسِ رسالت کا غلغلہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ اس "تنظیم" کے ایک سرکردہ لیڈر تو آئی جے آئی کی حکومت میں وزیر بھی رہے لیکن حکومتی سطح پر سلمان رشدی یا برطانیہ کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھا سکے بلکہ اس قسم کی ان کی کوئی کوشش ہی سامنے نہیں آئی۔

اس سلسلے میں ہفتہ وار اخبار "ملتان روڈ نیوز" نے اپنی کئی اشاعتوں میں آواز اٹھائی۔ اخبار نے لکھا۔ "نوائے وقت کی ۲۰ فروری کی اشاعت میں بیروت کی ایران نواز حزب اللہ کا بیان شائع کیا گیا ہے کہ سلمان رشدی اسلامی احکام کی رو سے واجب القتل ہے۔۔۔ سلمان رشدی کے خلاف پاکستان میں بھی "ہلاّ گلاّ" کیا گیا تھا لیکن اب تحفظِ ناموسِ رسالت کے علمبردار شاید کہیں محوِ خوابِ غفلت کے مزے لے رہے ہیں" ۲۷

ٹوکیو میں سلمان رشدی کی رسوائے زمانہ کتاب کے پبلشر کی پریس کانفرنس کے دوران لاہور کے ایک نوجوان عدنان رشید نے اسے بری طرح زدو کوب کیا۔ اس پر ۲۰ فروری ۱۹۹۰ء کو انجمن طلباءِ اسلام کے سینکڑوں کارکنوں نے عدنان رشید کی گرفتاری کے خلاف احتجاجی جلوس نکالا جو داتا دربار سے شروع ہوا اور مال روڈ سے ہوتا ہوا اسمبلی ہال کے سامنے جا کر ختم ہوا۔ ۲۲ فروری کو لاہور کے کچھ باسیوں نے ایک بیان میں حکومت پر زور دیا کہ وہ جاپان میں مصری شاہ لاہور کے پاکستانی مسلمان عدنان رشید کی رہائی کے لیے سفارتی سطح پر بھرپور کوشش کرے اور غیور پاکستانی نوجوان کو رہائی دلائے ۲۸

اس اہم مسئلے پر بھی تحفظ ناموس رسالت کے نام سے تحریک چلانے والے "منقار زیرِ پر" رہے۔ اس پر "ملتان روڈ نیوز" نے لکھا۔ "پاکستانیوں کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہاں بھی سلمان رشدی کے مسئلے پر تحفظِ ناموسِ رسالت کے نام سے ایک تحریک چلائی گئی۔ مظاہرے کروا کے کچھ جذباتی نوجوان مروا بھی دیئے گئے تھے۔ لیکن اب ایک مدت سے یہ لیڈر شاید کچھ اور "ضروری معاملات" میں مصروف ہیں کہ انہیں یہ مسئلہ یاد ہی نہیں رہا۔ عوام کے دلوں سے اٹھنے والے اس سوال کا جواب کون دے گا کہ ہمارے یہاں دینی غیرت و حمیت کے معاملات کو بھی وقتی سیاست کے تابع کیوں کر دیا جاتا ہے؟ ۲۹

راقم الحروف کو محترم برکات احمد قادری کے ذریعے معلوم ہوا کہ عدنان رشید آج کل لاہور میں ہیں۔ میں ان سے وقت مقرر کر کے تسنیم الدین احمد (ناظم نشرو اشاعت ایوان نعت رجسٹرڈ) کے ہمراہ مصری شاہ' الٰہی پارک میں واقع ان کے دولت خانے پر پہنچا۔ ان سے بات چیت کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آئے' وہ کچھ یوں ہیں۔

عدنان رشید لاہور میں پرانی گاڑیوں اور ٹائروں کا کاروبار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ۱۹۷۸ء سے انہوں نے امپورٹ کا کام شروع کیا تو ٹوکیو (جاپان) جانا اور وہاں سے مال لانا شروع کیا۔

انہوں نے بتایا کہ مارچ ۱۹۸۸ء میں یہ خبر شائع ہوئی کہ سلمان رشدی کی "آیاتِ

شیطانی" کا جاپانی ترجمہ ٹوکیو کا ایک اٹالین یہودی پالما کرا رہا ہے جو اسے یہاں چھاپے گا۔ ہم نے پاکستان ایسوسی ایشن جاپان کے پلیٹ فارم سے (جس کے سرپرست حسین خاں اور صدر رئیس صدیقی ہیں) پبلشر پالما کے علاوہ ٹوکیو یونیورسٹی کے اس پروفیسر سے بھی رابطے کیے جو ترجمہ کر رہا تھا۔ وہ لوگ ناگاساکی یونیورسٹی کے میسز کا نام بھی استعمال کرتے تھے، ہم نے اس سے بھی رابطہ کیا۔ ہماری بعض ملاقاتیں پولیس کمشنر کی وساطت سے بھی ہوئیں۔ ہم ان پر ہر ملاقات میں یہ واضح کرتے رہے کہ توہینِ مصطفیٰ (علیہ التحیتہ والثناء) کی اسلام میں کم از کم سزا قتل ہے اور اگر رشدی کی کتاب کا جاپانی ترجمہ چھاپنے کی جسارت کی گئی تو ہم ہر ایسے فرد کو قتل کر دیں گے۔

عدنان رشید نے بتایا کہ اس کتاب کا جاپانی ترجمہ انہوں نے ۱۹۸۸ء کے اواخر میں چھاپ دیا۔ ہم نے ۱۱ فروری ۱۹۸۹ء کو جلوس نکالا جس میں پانچ سو آدمی تھے۔ آخر میں حسین خاں (جو کراچی کے رہنے والے ہیں) اور امریکن نومسلم محمد علی نے بڑی جذباتی تقریریں کیں اور کہا کہ توہینِ رسالت کے ہر مرتکب کو قتل کرنا ضروری ہے۔ نجیب، یوسف، میں اور ہمارے دو اور ساتھی فیصلہ کر چکے تھے کہ ہم کتاب کے ناشر اور مترجم کو مار دیں گے، اس لیے ہم میں سے کوئی شخص سٹیج پر نہیں آیا۔

۱۳ فروری ۱۹۸۹ء کو پالما نے اپنے دو ساتھیوں (کتاب کا مترجم اور کوئی کونیا ڈیپارٹمنٹل سٹور کا مالک کتب فروش) سمیت انٹرنیشنل پریس کلب، مالونوچی (ٹوکیو) میں، جو بیسویں منزل پر ہے، پریس کانفرنس کی۔ پالما نے کہا کہ مسلمان خواہ مخواہ مشتعل ہوتے ہیں، رشدی نے تو محض خواب بیان کیے ہیں۔ عدنان رشید نے بتایا کہ پریس کانفرنس میں شرکت کے لیے ہمارا الگ الگ جانے کا پروگرام تھا۔ نجیب (جو گوجرانوالہ کے رہنے والے ہیں) پہلی منزل پر آئے تو وہاں سلمان رشدی کی بھتیجی کو دیکھ کر جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور اس کے گلے میں پنسل کھبو دی۔ پنسل گوشت کے آر پار ہو گئی لیکن پولیس نے نجیب کو گرفتار کر لیا۔ وہاں میٹل ڈیٹیکٹو ڈور لگے ہوئے تھے، ہم پنسل، پین کے علاوہ کوئی چیز ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے۔ نجیب

پہلی منزل پر گرفتار ہو گیا، یوسف اور دوسرے ساتھی ابھی پہنچے نہیں تھے۔ پالما پریس کانفرنس میں بات کر رہا تھا کہ میں نے اپنے ساتھیوں کا مزید انتظار مناسب نہ سمجھتے ہوئے اس پر حملہ کر دیا۔

عدنان رشید نے بتایا کہ ہمارے پہلے سے کئی بار کے کیے ہوئے اعلانات کے پیشِ نظر پولیس بہت زیادہ تھی۔ میں نے پالما کے نرخرے میں پین کھبونا چاہا لیکن وہ پھسلتا ہوا نکل گیا۔ پولیس نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو پولیس کے نرغے سے نکالنے اور پالما کے جسم کے نازک حصوں پر ضربیں لگانے کی کوشش کی لیکن افسوس کہ مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے اپنے آپ کو پولیس سے چھڑا کر کوشش کی کہ پورے زور سے پچھلی کھڑکی کے شیشے کو توڑتا ہوا پالما کو ساتھ لیتے ہوئے ۲۰ویں منزل سے نیچے چھلانگ لگا دوں لیکن افسوس کہ مجھے اس کوشش میں بھی کامیاب نہ ہونے دیا گیا۔

انہوں نے بتایا کہ پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا۔ پبلک پراسیکیوٹر نے بعد میں مجھے کہا کہ پالما تو ملک سے بھاگ گیا ہے، اس ڈر سے کہ دوسرے مسلمان اسے مار نہ دیں اس لیے اگر میں معافی مانگ لوں تو بات ختم ہو جائے گی۔ میں نے انہیں کہا کہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر مجھے ندامت ہو۔

جاپان کا قانون یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کے پہلے جرم کی سزا تین سال سے کم ہو تو معطل ہو جاتی ہے لیکن اگر وہ کوئی دوسرا جرم کر بیٹھے تو پہلے جرم والی سزا بھی اسے بھگتنا پڑتی ہے۔ عدنان رشید کو عدالت نے ایک سال کی سزا دی اور سزا معطل کرتے ہوئے انہیں ملک بدر کر دیا۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ پاکستانی سفارت خانے کے بارے میں وہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ ایرانی سفارت خانے کا تعاون انہیں حاصل رہا۔ ایک سعودی نے جدے سے انہیں فون پر پیشکش کی کہ جتنے پیسوں کی ضرورت ہو، وہ بھیج دیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ اس حملے کے فوراً بعد پالما اٹلی کو بھاگ گیا تھا اور مترجم امریکہ کو۔ جب مجھے ملک بدر کیا

گیا‘ اس وقت تک وہ جاپان نہیں لوٹے تھے۔ عدنان رشید نے توقع ظاہر کی کہ ان شاء اللہ کبھی نہ کبھی سلمان رشدی کو قتل کرنے کی سعادت انہیں ضرور حاصل ہو گی۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ جاپان میں ایک لاکھ پاکستانی ہیں۔ ہمارے ۱۱ فروری کے جلوس میں پانچ سو کے قریب لوگ شامل ہوئے۔ پالما وغیرہ کے قتل کے لیے پانچ رضاکار تیار ہوئے اور پالما تک میں اکیلا پہنچا لیکن افسوس کہ مجھے بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

حواشی

۱۔ شمس الدین فاسی‘ ڈاکٹر۔ شیطان رشدی اور اس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ۔ ۱۹۹۰ء۔ ص ۴۴۔۔ ۴۹

۲۔ جرائم (ماہنامہ) نئی دہلی۔ جون ۱۹۸۹ء۔ (مضمون از الطاف حسین فریدی‘ علی گڑھ)

۳۔ شیطان رشدی اور اس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ (مقدمہ از عبد الحکیم شرف قادری) ص ۱۲

۴۔ فیض الرسول (ماہنامہ) براؤں شریف انڈیا۔ مئی ۱۹۸۹ء۔ ص ۲۷

۵۔ ضیائے حرم (ماہنامہ) بھیرہ۔ مئی ۱۹۸۹ء۔ ص ۳۴

۶۔ جنگ (روزنامہ) لاہور۔ ۲۸ فروری ۱۹۸۹ء

۷۔ نوائے وقت (روزنامہ) لاہور۔ ۲۸ فروری ۱۹۸۹ء

۸۔ عدنان رشید کی ایڈیٹر نعت سے گفتگو

۹۔ شیطان رشدی اور اس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ۔ ص ۲۲

۱۰۔ ایضاً۔ ص ۲۴

۱۱۔ مرکز (روزنامہ) اسلام آباد۔ ۱۳ فروری ۱۹۸۹ء

۱۲۔ نوائے وقت (روزنامہ) لاہور۔ ۲۳ فروری ۱۹۸۹ء

۱۳۔ تکبیر (ہفت روزہ) کراچی۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۸۹ء

۱۴۔ جنگ (روزنامہ) راولپنڈی۔ ۱۳ فروری ۱۹۸۹ء

۱۵۔ موسیٰ خان جلالزئی۔ امام خمینی کے حالاتِ زندگی۔ سنٹر فار سنٹرل ایشیا اینڈ مڈل ایسٹ سٹڈیز‘ لاہور۔ ۱۹۹۰ء۔ سرورق کا صفحہ آخر

۱۶۔ نوائے وقت (روزنامہ) لاہور۔ ۱۷ فروری ۱۹۸۹ء

۱۷۔ جنگ (روزنامہ) راولپنڈی۔ ۱۶ فروری ۱۹۸۹ء

۱۸۔ شیطان رشدی اور اس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ۔ ص ۲۶

۱۹۔ ارشاد (پندرہ روزہ) کراچی۔ نومبر ۱۹۹۰ء صفحہ اول

۲۰۔ پاکستان (روزنامہ) لاہور۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۰ء

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ نوائے وقت (روزنامہ) لاہور۔ ۴ مارچ ۱۹۹۰ء

۲۳۔ پاکستان (روزنامہ) لاہور۔ ۲۳ مارچ ۱۹۹۱ء

۲۴۔ ملتان روڈ نیوز (ہفتہ وار اخبار) لاہور۔ ۷ دسمبر ۱۹۹۰ء۔ صفحہ آخر

۲۵۔ ملتان روڈ نیوز۔ ۱۲ جنوری ۱۹۹۰ء صفحہ اول

۲۶۔ جنگ (روزنامہ) لاہور۔ ۳۰ جولائی ۱۹۸۹ء (مضمون مشاہدات و تاثرات از کوثر نیازی)

۲۷۔ ملتان روڈ نیوز۔ ۲۳ فروری ۱۹۹۰ء۔ صفحہ آخر

۲۸۔ ملتان روڈ نیوز۔ ۲ مارچ ۱۹۹۰ء۔ صفحہ آخر

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ عدنان رشید نے بتایا کہ راجا اس واقعے سے چھ مہینے پہلے اسلام کے مطالعے کے نتیجے میں مسلمان ہوا تھا۔

سلمان رُشدی کا قاتل

وہ ایک لمحہ
وہ وقت پر حکمران لمحہ
کہ جب عزیمت کی جرأت افزا منڈیروں پر جھلملاتے دیپک
اُگائیں گے روشنی کی فصلیں
دھنک جمے گی فضاؤں میں ہر سُو، محافلِ رنگ و نور ہوں گی
زمانے بھر میں اجالا ہو گا
اُجالا ہو گا سعادتوں کا
سعادتوں کا اجالا ہو گا جسارتوں سے
جسارتیں.
جو محبتوں کی نقیب ہوں گی
جہاں کے محسن کی عزّت و حرمت و تقدّس کی نام لیوا
جسارتیں جو عَلَم اٹھائیں گی حفظِ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کا
جسارتیں جو گلا دبوچیں گی شاتمیت کا
اور،
بے اصل رُشدی ایسا خبیث اُس لمحے مارا جائے گا
جرأتوں کے، جسارتوں کے، عزیمتوں کے شناسا ہاتھوں سے
میرے ہاتھوں سے

راجا رشید محمود

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ اور پاکستان ﷺ

تحریر: اظہر محمود
ایڈیٹر "ملتان روڈ نیوز" لاہور

قیامِ پاکستان سے پہلے، انگریزوں کی عملداری میں جہاں کہیں کسی شخص نے، ہمارے آقا و مولا علیہ التحیتہ والثنا کی توہین کی، ان کے مقام سے فروتر بات کی، کوئی ان کی شان میں کسی گستاخی کا مرتکب ہوا، کہیں ان کی حرمت و ناموس کے تحفظ کا معاملہ آیا---- کسی نہ کسی مسلمان نے اپنی غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا اور اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرنے والے کو فنافی النار کر دیا اور خود اس جرمِ محبت کی پاداش میں حلقۂ دار کو چوم لیا۔

قیامِ پاکستان کا مرحلہ آیا تو خیال تھا کہ اب اسلام کے ماننے والوں کی حکومت ہو گی، مسلمانوں کے تشخص و تحفظ کی حفاظت کا اہتمام ہو گا، شاتمِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے انسداد و استیصال کے لیے قانون سازی کی جائے گی اور حفاظتِ حرمت و ناموس حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے لیے کسی انفرادی کوشش سے زیادہ حکومتی سطح پر کوئی اجتماعی صورت اختیار کی جائے گی اور ملک میں عزت و ناموسِ آقا و مولا (علیہ الصلوٰۃ والثناء) کے تحفظ کا قانون بنے گا۔ مگر بدقسمتی سے اس طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔

آقا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے غلاموں اور نام لیواؤں کی جِدّوجُہد سے قائم ہونے والے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ یا آقا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ناموس کی حفاظت کے لیے کچھ نہ کیا گیا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم نے مختلف مکاتبِ فکر کے ۳۱ علما کو کراچی میں جمع کر کے ۲۲ نکات پر متفق کیا اور اس پر اسلامی آئین کی بنیاد رکھی جانے

والی تھی کہ بوجوہ اس ساری کوشش کو سبوتاژ کر دیا گیا اور ملک پھر سیکولر ذہن کے لوگوں کے حوالے کر دیا گیا۔

پھر ضیاء الحق صاحب برسرِاقتدار آئے تو ایک امید پیدا ہوئی کہ شاید اب اسلامی نظام کے فیوض و برکات سے لوگ متمتع ہو سکیں مگر وہ گیارہ سال سے کچھ زائد عرصے تک حکومت کرنے کے دوران میں یہ نعرہ مسلسل لگاتے رہے لیکن عملاً کچھ نہ کر سکے۔

حفاظتِ ناموسِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سوال پر اب تک کسی قانون سازی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا تھا، حکومتی سطح پر کوئی ایسا مسئلہ کبھی زیرِ غور نہ رہا تھا کہ اگست ۱۹۸۰ء میں اس وقت کے صدر ضیاء الحق صاحب نے ایک دو روزہ علما کنونشن بلایا جس میں یہ مسئلہ پہلی بار اٹھایا گیا۔ سید محمود احمد رضوی نے ایک قرارداد پیش کی جس کی تائید عباس حیدر عابدی نے کی اور کنونشن کے شرکا نے بالاتفاق اس قرارداد کو منظور کیا کہ "حکومت اللہ تعالیٰ، حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، خلفائے راشدین اور اہلِ بیت کی شان میں گستاخی کو قابلِ دست اندازیٔ پولیس جرم قرار دے۔ اس سلسلے میں زبانی یا عملی توہین یا اس بارے میں کی گئی کسی بھی کارروائی کو قابلِ دست اندازیٔ پولیس سمجھا جائے اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت ترین سزا دی جائے۔ شائع شدہ توہین آمیز مواد کو بھی جرم سمجھا جائے"۔ (نوائے وقت لاہور۔ ۲۳۔ اگست ۱۹۸۰ء)

صدر ضیاء الحق صاحب نے اس تجویز سے کُلّی اتفاق کیا اور اس سلسلے میں جلد از جلد قانون بنانے کا وعدہ کیا۔ پھر اس قانون سازی کے بارے میں جو خبریں اخبارات میں آئیں، وہ کچھ یوں تھیں۔

"امہات المؤمنین، اہل بیت اور صحابۂ کرام کے بارے میں ناشائستہ زبان استعمال کرنے کو قابلِ تعزیر بنانے پر غور" (نوائے وقت۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۰ء)

"رسولِ کریم، اہلِ بیت اور صحابۂ کرام کی شان میں گستاخی پر ۳ سال قید کی سزا دی جائے گی۔ تعزیراتِ پاکستان میں ضروری ترمیم کی جا رہی ہے۔" (نوائے وقت ۱۶ ستمبر ۱۹۸۰ء)

"امہات المؤمنین، اہلِ بیت، خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی جرم قرار دے دی گئی۔ صدر نے تعزیراتِ پاکستان میں نئی دفعہ شامل کر دی" (نوائے وقت۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۰ء)

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ کس چابکدستی سے اللہ تعالیٰ اور حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گستاخی کا معاملہ قانون بنتے بنتے غائب ہو گیا۔۔۔۔۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ یہ حرکت نہ تو جناب صدر کو نظر آئی، نہ سید محمود احمد رضوی اور عباس حیدر عابدی کو اس پر تعجب ہوا، نہ علما کنونشن میں شامل "علماو مشائخ" میں سے کسی نے اس پر احتجاج کیا اور نہ اس ملک کے دوسرے علما، دانشور، قانون دان اور عوام و خواص کو یہ بات محسوس ہوئی کہ ۲۱، ۲۲۔ اگست کو جو تجویز پیش ہوئی، اس کی تائید ہوئی، اسے بالاتفاق منظور کیا گیا، اس پر قانون سازی کا وعدہ ہوا۔۔۔۔۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ اور حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی توہین کے معاملے کو کیسے نکال دیا گیا ہے (اگرچہ تین سال قید کی سزا کا اطلاق توہینِ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ناقابلِ تلافی جرم پر۔۔۔۔ ویسے بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے)

ایسے میں صرف ایک نحیف سی آواز اٹھی، اگرچہ یہ بہت زور سے اٹھائی گئی تھی لیکن افسوس کہ کسی پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ماہنامہ "نورالحبیب" بصیرپور (ضلع اوکاڑہ) میں ستارۂ یمانی نے اپنے کالم "طلوع" میں اس معاملے کو اٹھایا۔ "نوائے وقت" کی اس موضوع پر سرخیوں کی فوٹو سٹیٹ سے مزیّن کالم میں ستارۂ یمانی نے لکھا تھا "طبیبِ قدرت نے اس سرزمینِ پاک کی شفا کے لیے اسلام کا نسخۂ خاص تجویز کیا تھا۔ یہ بات کاتبِ تقدیر نے ہماری لوحِ قسمت پر رقم کر رکھی ہے کہ خدا و رسولِ خدا (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے نام پر وجود میں آنے والا ملک انہی کے بتائے ہوئے رستوں پر چل کر باقی رہ سکتا ہے۔ پاکستان کی بقا اور سلامتی، ہماری عزت و وقار اسی سے ہے کہ ہم اس نسخہ کیمیا کو استعمال کریں۔ ہم نے اس نسخے سے صَرفِ نظر کر کے نقصانات اٹھائے ہیں۔ جب تک ہم نے طبیبِ ازلی کے

نسخے کے بجائے ٹونے ٹوٹکوں سے علاج کرنا چاہا ہے، ہماری ملّی صحت گرتی چلی گئی ہے اور ملکی قوتِ مدافعت کمزور ہو گئی ہے"

---- اس کے بعد کالم نویس نے علما کنونشن کی اس قرارداد کا ذکر کیا، اس پر صدرِ مملکت کے قانون سازی کے وعدے کی بات کی اور پھر لکھا کہ اب یہ نسخہ ملازم کے سپرد کر دیا گیا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توہین کرنے والے کمیونسٹ اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے دیوّث کیفرِ کردار کو پہنچیں ۔ اس لیے اس نے اللہ و رسولؐ کے الفاظ حذف کر دیے ۔ ستارۂ یمانی کے کالم کا آخری پیرایہ تھا۔ "ہم عامیوں کو یقین ہے کہ ملازم کی نیت میں فتور ہے اور وہ ہپناٹزم کا بھی ماہر ہے ورنہ علما کنونشن نے جو قرارداد متفقہ طور پر پاس کی تھی، جسے صدر مملکت نے اسی وقت (۲۲۔ اگست کو) منظور کرتے ہوئے قانون سازی کا وعدہ کیا تھا، ---- قانون کی شکل اختیار کرتے کرتے ۱۷ ستمبر کو اس میں خدا و رسولؐ کی توہین کرنے والوں کو کھلی چھٹی کی نوید کیسے مل سکتی تھی"! (پانچ سال بعد جب اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا کیس وفاقی شرعی عدالت میں چلا تو "نور الحبیب" نے ستارۂ یمانی کا یہ کالم اپنے جمادی الاول ۱۴۰۶ھ کے شمارے میں دوبارہ شائع کیا)

بہت سے علما، بہت سے پڑھے لکھے لوگ اس وقت تو ہوش میں آئے، جب ۱۳۔ مارچ ۱۹۸۷ء کو محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ نے وفاقی شرعی عدالت میں درخواست دی لیکن جس وقت علما کنونشن کی قرارداد کو قانون کا جامہ پہنایا جا رہا تھا، اس وقت اس قرارداد کے محرک اور مویّد کے علاوہ "علما و مشائخ" کا جمِ غفیر اور خود اس وقت کے صدرِ مملکت ضیاء الحق صاحب کو اس کا احساس کیوں نہیں ہوا۔ اور اخبارات کا مطالعہ کرنے والے عوام و خواص کو یہ کھلی دھاندلی کیوں دکھائی نہ دی۔ اور خود اخبارات کے کرتا دھرتاؤں کو یہ سب کچھ کیوں نظر نہ آیا تھا۔ انتہا یہ ہے کہ "نور الحبیب" کے کالم نویس "ستارۂ یمانی" کے اس تفصیلی تجزیے کو رسالے نے چھاپ تو دیا لیکن خود اس موضوع کو زیادہ اہمیت نہ دی، ورنہ اس پر کوئی اداریہ ہی لکھا جاتا ---- پورے ملک کا ایک شخص بھی (سوائے ستارۂ یمانی کے) اس

حرکت پر نہیں ہلا۔ بعد میں جب وفاقی شرعی عدالت میں مقدمہ چلا تو بہت سے علما نے اس موضوع پر اپنے علم و بیان کے جوہر دکھائے لیکن یہ واقعہ حادثے کی صورت میں تاریخ کے سینے میں محفوظ رہے گا کہ جب اس ملک میں اس وقت کے صدر مملکت، "علما و مشائخ" کے جمگھٹے اور قرارداد کے محرک و مویّد کے سامنے قرارداد کا یوں حلیہ بگاڑا گیا تو سب سوئے ہوئے تھے۔

علما کنونشن کی متفقہ قرارداد کو قانون کا ملبوس دیتے ہوئے جو صورت اختیار کی گئی، وہ تعزیراتِ پاکستان کے پانچویں باب توہینِ مذہب کی دفعہ ۲۹۸۔ الف کی شکل میں یوں تھی"۔ جو کوئی تحریر یا تقریر میں، یا اعلامیہ یا کسی طرح اہلِ بیت، خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفۂ راشد یا اصحاب رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے بے حرمتی کرے، ان پر طعنہ زنی یا بہتان تراشی کرے، اسے تین سال تک کی قید کی سزا یا سزائے تازیانہ دی جائے گی، یا وہ ان دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو گا"۔ دفعہ ۲۹۵۔ الف کی رو سے عملاً توہینِ مذہب کے مرتکب کو دو سال قید یا جرمانے یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔ افسوس کہ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۴ء تک یہی صورت حال قائم رہی۔

محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ نے ہفت روزہ "زندگی" لاہور کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا (زندگی ۱۷ تا ۲۳ نومبر ۱۹۹۰) کہ ہم نے ۱۹۸۴ء میں وفاقی شرعی عدالت سے استدعا کی کہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعات ۲۹۵۔ الف اور ۲۹۸۔ الف کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لے کر فیصلہ صادر فرمایا جائے کہ خود اس مقدس ترین ہستی، جس سے نسبت کی وجہ سے مذہب کو اور صحابۂ کرام اور اہلِ بیت کو یہ تقدس حاصل ہوا، اس کی جناب میں گستاخی، اہانت یا توہین و تنقیص جیسے سنگین اور ناقابلِ معافی جرم کے بارے میں سزا تجویز کی جائے۔ عدالت نے تمام بحث سننے کے بعد اپنا فیصلہ محفوظ رکھا۔

قریشی صاحب نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ ابھی محفوظ تھا مگر ۱۹۸۵ء کے انتخابات کے نتیجے میں اسمبلیاں وجود میں آ چکی تھیں۔ ہم نے مجلس شوریٰ میں

محترمہ نثار فاطمہ سے بل پیش کرانا چاہا لیکن اس وقت کے وفاقی وزیر قانون اقبال احمد خاں ٹال مٹول سے کام لینے لگے البتہ قانون کے وزیر مملکت مروت خاں نے ہمارا ساتھ دیا اور ڈٹے رہے۔ بل پیش ہوا تو پارلیمنٹ نے مفاہمتی صورت یہ نکالی کہ سزائے موت یا عمر قید کا قانون ۲۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ اور یوں تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵۔ سی وجود میں آئی۔

۱۳۔ مارچ ۱۹۸۷ء کو محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ نے دوبارہ وفاقی شرعی عدالت میں درخواست دائر کر دی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جس جرم کی سزا میں "حد" مقرر ہو' اسمبلی تو کیا' ملک کے تمام عوام بلکہ دنیا بھر کے انسان مل کر بھی اس میں سوئی کی نوک کے برابر تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتے۔ عدالت نے تفصیلی سماعت اور مختلف علما و ماہرین قانون سے رائے لینے کے بعد ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو ان کے موقف کو درست تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیا کہ توہینِ رسالت پر سزائے موت ہی دی جائے گی' "عمر قید کی سزا" کے الفاظ حذف کر دیئے جائیں

وفاقی شرعی عدالت میں جسٹس گل محمد خان (چیف جسٹس) جسٹس عبدالکریم خان کندی' جسٹس عبادت یار خان' جسٹس عبدالرزاق اے تھیم' جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان نے یہ فیصلہ دیا۔ مولانا سبحان محمود' مولانا مفتی غلام سرور قادری' مولانا حافظ صلاح الدین یوسف' مولانا محمد عبدہ الفلاح' مولانا سید عبدالشکور' مولانا فضل ہادی' مولانا سعید الدین شیر کوٹی کی معاونت عدالت کو حاصل رہی (عدالت کا اصل فیصلہ)

محمد اسماعیل قریشی بتاتے ہیں کہ سماعت کے دوران میں کہیں کہیں معمولی نوعیت کے اختلافات بھی رونما ہوئے مثلاً مفتی غلام سرور قادری اور حافظ صلاح الدین یوسف کا موقف یہ تھا کہ توہینِ رسالت کے بعد توبہ کی گنجائش ہے۔ بعض شیعہ علما کا موقف یہ تھا کہ جہاں توہین کا ارتکاب ہو' وہیں مجرم کی گردن مار دی جائے اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے یہ رائے دی کہ اگر کوئی شخص غیر ارادی طور پر بھی توہینِ رسالت کا مرتکب ہو تو بھی وہ

واجب القتل ہے۔

محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ نے انٹرویو میں مارٹن لوتھر کنگ کی کتاب "دی لیمپ سپریڈنگ دی لائٹ" کا بھی ذکر کیا جس کو اس وقت کے صدر ضیاء الحق صاحب نے ہجرہ ایوارڈ دیا تھا۔ اس کتاب میں نعوذ باللہ یہ بھی لکھا تھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیدائش آپ کی والدہ کی شادی کے تین ماہ بعد ہی ہو گئی تھی۔ اس پر ایک بار تو مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے صدر ضیاء الحق کے ارتداد اور فسخ نکاح کا فتویٰ بھی دے دیا تھا۔ قریشی صاحب نے بتایا کہ ہم نے مقدمہ درج کرایا اور صدر ضیاء الحق اور ہجرہ کمیٹی کے سربراہ ہالے پوتہ کو بھی نوٹس بھجوائے۔ اس کے جواب میں ہجرہ کمیٹی نے وضاحت کی کہ ایوارڈ کمیٹی کو جو کتاب بھیجی گئی تھی' اس میں یہ توہین آمیز پیرا شامل نہیں تھا۔

=========☆☆☆==========

محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ نے بتایا کہ ۱۹۸۳ء میں مشتاق راج ایڈووکیٹ نے ایک کتاب لکھی جو روس یا شاید بھارت سے چھپوائی اور یہاں بھی تقسیم کی۔ اس میں تمام مذاہب کی توہین کی گئی تھی اور حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخیاں بھی تھیں۔ ہماری کوشش سے مشتاق راج کی بار کی رکنیت ختم ہوئی اور کتاب ضبط ہوئی۔ اس کے خلاف تھانہ انار کلی لاہور میں مقدمہ درج کرایا گیا۔ اس کیس میں مشتاق راج کی درخواست ضمانت کی سماعت کے دوران میں رشید مرزا قریشی ایڈووکیٹ نے محسوس کیا کہ وہ راج کی ضمانت لینے پر آمادہ ہے اور توہینِ رسالت کے معاملے کو آزادیٔ اظہار سے منسلک کر رہا ہے تو انہوں نے گرج کر کہا۔ "خبردار! اگر تم نے اس شاتمِ رسول کی ضمانت منظور کی تو میں تمہاری جان لے لوں گا"۔ جج خوفزدہ ہو کر اندر بھاگ گیا' اور پھر اس نے کیس کی سماعت سے انکار کر دیا۔

عنوانِ شہادت — ناموسِ رسالت
اللہ رے قسمت — سرکار سے نسبت
صد بار مبارک — ایمان کی عظمت
اے غازیٔ قیوم — اے سندھ کی سطوت
اے رشکِ بہاراں — اے رنگِ محبت
تو اوڑھ کے نکلا — پوشاکِ حمیت

آغاز سے پوچھے
کوئی تری قامت

آغاز برنی

داستانِ محبت کے ارقام کی راہ میں مشکلات

تحریر: رائے محمد کمال

بچپن میں سب سے پہلے میرے ہونٹوں پر جس نغمہ کی لے تھرکی، وہ کلمۂ طیبہ تھا ـــ لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ ـــ جب میں پڑھنے کے قابل ہوا تو ابتداءً یہی افضل و پاک عبارت وردِ زبان ہوئی ـــ اور جب میں نے لکھنا سیکھا تھا تو سب سے پہلے اپنے سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا اسمِ مبارک لکھا ـــ محمدٌ رسول اللہ ـــ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی لکھا ہوگا۔ اگر مسلم کا دل چیریں ـــ عہدِ شباب میں تاجدارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دیوانوں مستانوں اور پروانوں کا نام لیوا ہوں۔ شمعِ رسالت کے وہ پروانے جنہوں نے خطۂ ہند میں اپنی وفا کے لازوال چراغ جلائے، جب ناموسِ رسالت کے تحفظ کا مرحلہ آیا، یہ پاکباز نوجوان اپنی زندگیوں کو شہنشاہِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نعلین مبارک پر نچھاور کر گئے ـــ

اے راہِ حق کے شہیدو! وفا کی تصویرو، تم پر ہزاروں سلام ـــ دعا ہے زندگی کی شام مدینہ کی گلیوں میں ہو اور دمِ آخر میری زبان پر درود و سلام کا ملکوتی وظیفہ سجا رہے۔

میں نے ماتھے کی سلوٹوں میں اُلجھا ہوا صفحۂ قسمت اپنی آنکھوں سے پڑھا ہے کہ کاتبِ تقدیر نے یہاں ترچھی لکیر نہیں کھینچی۔ لوحِ پیشانی پر افسانوں کی دنیا درج ہے نہ فضول موضوعات کا کوئی تذکرہ ـــ

بھلا مجھ ایسے کم عمر اور ناواقف علم و ادب کو کون جانتا اور پہچانتا تھا مگر شہیدانِ نبیؐ سے نسبتِ غلامی ذریعۂ تعارف بن گئی۔ چند ایک بزعم خود علم دوست افراد کی رائے ہے کہ "یہ کوئی تخلیقی کام نہیں" ـــ اگر تخلیقی ادب افسانوں کا نام ہے تو مجھے معذور سمجھیں۔ کوئی فضول شاعری کو معراجِ قلم تصور کرتے ہیں تو اُسے مبارک۔ بندہ

اپنے اندر قوم میں زہر تقسیم کرنے کی جرأت نہیں پاتا ــــ بہ طفیل فخرِ ہر جہاں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے حصّہ میں خوشبو بانٹنا آیا ہے جو آئندہ نسلوں کے ایمان بھی مہکائے رکھے ــــ الحمدللہ۔

عاشقانِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایمان پرور سوانح عمریاں ترتیب دینا میری تنہائیوں کا راز اور سچّے جذبوں کا حاصل ہے۔ یہ راز صرف اُن لوگوں پر کھلتا ہے جو جگر کاویوں کو عبادت سمجھتے ہیں۔ دن کے وقت ان کی آنکھیں بنجر بنجر دکھائی دیتی ہیں مگر رات کے سائے میں یہاں رتجگوں کی فصل لہلہا اُٹھتی ہے ــــ میں نے گرد و غبار کے کفن میں اٹے ہوئے جاں بلب اوراق کو اپنی زندگی کا رس نچوڑ کر زندگی کی دھڑکنیں دیں۔ ان خوابیدہ لمحات کو صدائے قلم کے ساتھ بڑی مشکل سے جگایا، گردشِ حالات اور مرورِ ایام میں دربدر بھٹکنے والے حقائق کو کوچہ بکوچہ شہر بہ شہر ڈھونڈا۔ یہ کوئی ایک دو سال کی بات نہیں اور نہ پانچ دس سال کا قصّہ، بلکہ نصف صدی سے بھی زائد وقت گزر چکا ہے۔ اب پہلے تو ایسے شخص موجود ہی کم ہیں جو حافظے کی قبروں کو کرید سکیں۔ اگر کچھ ہیں بھی تو وہ اس سے متعلق کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی اپنے پاس دستاویزی ثبوت رکھتے ہیں۔ ان باتوں کے پیشِ نظر بڑی آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مجھے کس کس دروازے کو کھٹکھٹانا پڑا ہوگا۔ حصولِ مقصد کی خاطر میں ان لوگوں کے پاس بھی گیا جنھوں نے میرا تمسخر اڑایا۔ بعض جگہ تو عزّتِ نفس بُری طرح مجروح ہوئی۔

راقم الحروف اس طنزیہ رویے کا مستحق کیوں ٹھہرا؟ ــــ یہ سوال مختصر مگر اس کا جواب بہت طویل ہے۔ متواتر کئی ماہ لائبریریوں کے چکّر لگانا اور مختلف دروازے کھٹکھٹانا تو لازم تھا ہی لیکن اس سلسلے میں کئی حادثے گزر گئے۔ پہلا حادثہ یہ ہے کہ میرے حصّے میں چند اقتصادی آہیں اور معاشی کراہیں بھی آئی ہیں جو بہر حال مجھے سننا پڑتی ہیں۔ فقط عقیدے کی غذاؤں پر جسم نہیں پلتے۔ پیٹ کم بخت دو وقت کی روٹی اور تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا بھی مانگتا ہے۔ میں نہایت خوش قسمت ٹھہرا کہ ان حالات میں نہ صرف زندہ ہوں بلکہ داستانِ محبت بھی رقم کر رہا ہوں۔

اس حوالے سے راقم الحروف کی پہلی کتاب ــــ غازی علم الدّین شہیدؒ ــــ تھی جس نے یکم نومبر ۱۹۸۲ کو مرحلۂ تکمیل طے کیا (یاد رہے، غازی موصوف کا یوم شہادت یہی ہے) پاک و ہند میں یہ شرف بندۂ حق کے مقدّر میں لکھا تھا کہ سب سے پہلے مکمل اور جامع سوانح حیات منظرِ عام پر لاؤں۔ شہیدِ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے واقعۂ قربانی پر کام شروع کیا تو آپ کے حقیقی بھتیجے شیخ رشید احمد صاحب سے ملاقاتیں ٹھہریں۔ بعض نشستیں تو از حد طویل تھیں۔ میں جمعہ کے روز اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ اس کے باوجود مجھے حصولِ مقصد کے لیے لمبی مدّت انتظار کرنا پڑا۔ ان کا رویّہ مشفقانہ تھا، مگر لہجہ نہایت محتاط۔ میں ہر وعدہ کے مطابق کوچہ چابکسواراں پہنچا لیکن وہ گھر پر موجود نہ ہوتے اور کبھی کسی سرکاری دورے کی تیاریوں میں مصروف پائے جاتے۔ ایک دو دفعہ ان کی طبیعت ناساز تھی۔ کبھی کچھ دیگر مسائل کا سامنا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ وہ وقت کم ہونے کے باعث خاندانی دستاویزات کو نہ کھنگال سکے۔ بے وفا لوگوں کے قصّے سنانے کے بعد صبح آنے کو کہتے اور کبھی شام کو۔ میں کبھی اپنے گاؤں سے پہنچتا اور کبھی مجھے ہفتوں لاہور ہی میں ٹھہرنا پڑتا۔ بعد میں کئی دفعہ گوجرانوالہ سے بھی جانا پڑا۔ بہر حال اس کشمکش کے باوجود مجھ پر ان کی نوازشیں شمار سے باہر ہیں۔ علاوہ ان کے بہت سوں نے ہر نیک کام میں عدمِ تعاون کی قسم کھا رکھی تھی۔ ان کا مختصر بیان کتاب میں آ چکا ہے اور کئی افراد اب تک حوصلہ شکنی اور راہِ راست سے بھٹکانے کے لیے اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔

میرا تلخ مشاہدہ ہے کہ پاکستان میں فن نہیں، فن کار دیکھا جاتا ہے۔ یار لوگوں کی تصنیف سے کہیں زیادہ مصنّف پر نظر رہتی ہے۔ اگر لکھاری کسی قسم کا کوئی قد کاٹھ رکھتا ہے تو آپ چار سو اہلاً و سہلاً کے ڈونگرے برستے دیکھیں گے۔ شاید کام نہیں نام چلتا ہے۔ لکھنے والا ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہو یا کوئی سیاسی شخصیّت۔ فاضل مصنّف کا تعلق کسی سرمایہ دار مکتب یا بڑے لوگوں کے خوشامدی طائفے سے ہو تو ناشر حضرات اور اخبار اسے لے اُڑتے ہیں۔ میرا مقصد خودستائی ہرگز نہیں۔ احوالِ واقعی کے طور پر کہتا ہوں کہ اس

موضوع پر پاکستان میں محررسطور سے زیادہ کسی اور نے تحقیق نہیں کی۔ میری تحقیقی وتاریخی کاوشوں کا نقشِ اوّل "غازی علم الدین شہیدؒ" ہے۔ یہ اپنے موضوع پر سند ہے اور حوالوں کے طور پر زیرِ بحث آتی ہے مگر قومی سطح پر ظفر اقبال نگینہ صاحب کی کتاب کو سراہا گیا جو جنگ پبلشرز کے معتبر سرورق سے مارکیٹ میں آئی۔ غالباً اس کا حقیقی سبب روزنامہ "جنگ" لاہور کی اہمیت ومرکزیت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے ___ آپ تقابلی جائزہ کر کے دیکھ لیجیے۔

بابِ وفا کا سلسلۂ ثانی ___ غازی میاں محمد شہیدؒ ___ ہے۔ میں دیانتداری کے ساتھ اس اعتراف پر مجبور ہوں کہ مذکورہ کتاب کا تمام کریڈٹ برادرِ شہید الحاج ملک نور محمد صاحب کو جاتا ہے۔ جابجا بکھری ہوئی کڑیوں کا ربط ان کا ایک روشن کارنامہ ہے۔ اس پر پوری قوم کو ان کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے۔

عجائب گھر لائبریری لاہور میں، میں انقلاب، سیاست اور زمیندار اخبار کے فائل دیکھ رہا تھا کہ ایک جگہ شمعِ رسالت کے پروانہ "غازی محمد صدیق شہیدؒ" کا نام نامی اسمِ گرامی آنکھوں کی راہ دل میں اتر گیا۔ تلاش وجستجو اور محبت ودیوانگی ___ قصور ___ میں لے گئی۔ دن بھر ڈھونڈا۔ پرندے تھک ہار کر جب گھونسلوں کو جا رہے تھے۔ بمشکل اس وقت مقبرۂ شہیدؒ کا سراغ مل سکا۔ شہیدِ موصوف کے برادرِ خورد نے ایک جاننے والے کا موہوم سا ایڈریس۔ ان کی وساطت سے میں نے بیڈن روڈ، کنسرن الیکٹرک کارپوریشن پر حاضری دی اور ایم ایس طاہر صاحب کا معلوم کیا۔ استفسار پر وجہ دریافت بتائی۔ جانے کیوں جواب میں جھڑکیاں دھکے اور گالیاں ملیں۔ خدا معلوم انہیں مجھ سے چڑ تھی یا شہیدِ عشقِ رسول ؐ کے ذکر سے تکلیف یا پھر آقائے نامدار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ بابرکات سے دوری۔ جب مایوسی کا سایہ بڑھنے لگا تو چند ہفتوں بعد ادھر سے گزرتے ہوئے قسمت آزمائی کے لیے ایک بار پھر دکان میں داخل ہوا۔ اب کے خوش نصیبی سے ایک اور صاحب ملے جنہوں نے کمال شفقت سے ایم ایس طاہر صاحب کا ٹیلیفون نمبر عطا فرما دیا ___ جب موصوف کی قربت حاصل

ہوئی تو سب دکھ درد بھول گئے۔ خبر ملی کہ "انسان" کس کو کہتے ہیں ___ اللہ اللہ ___ اس عہد میں جو شیخ صاحب کی زیارت و ملاقات سے محروم رہا۔ اس کے دامن میں ہے کیا؟ سچا اور سُچا مسلمان اور خدا مست درویش دیکھنا چاہو تو حضرت قبلہ شیخ صاحب کے دامن کو چھو آؤ۔

ایک روز اپنے مخلص کرمفرما کے ساتھ میں ضلع ہزارہ کے ایک دور افتادہ قصبے "غازی" میں جا دھمکا۔ یہی مقام غازی عبدالقیوم شہیدؒ کا مولد ومسکن ہے جنہوں نے ۱۹۳۵ء میں کراچی میں اپنی غیرت مندی کا تاریخی اور ولولہ انگیز ثبوت دیا تھا اور راہِ حق میں شہید ہوئے۔ آپ کے ایک سن رسیدہ بھتیجے صاحب سے ملاقات ممکن ہوئی ہاتھ میں تسبیح، باریش اور ماتھے پر محراب ___ سلام دعا، مرحلۂ تعارف اور آمد کی وجہ کے سلسلے میں ہماری گفتگو آپ بھی ملاحظہ کریں۔

میں : میں شہید موصوف کے حالاتِ زندگی قلمبند کرنا چاہتا ہوں

وہ : کیوں؟

میں : اس سے نوجوانانِ ملت کے سینوں میں جراتِ ایمانی پیدا ہوگی۔

وہ : (زیرِ لب تبسّم) عبدالقیوم ایک اوباش (استغفراللہ) لڑکا تھا۔ جوئے میں طاق اور لڑائی جھگڑے میں آگے آگے۔ اس نے غصّہ میں ایک ہندو کو قتل کر دیا اور بس!

میں : آپ نے اُن کے مزار پر حاضری دی؟

وہ : مجھے مزار اور صاحبِ مزار سے کوئی دلچسپی نہیں۔

میں : آپ نے "ضربِ کلیم" میں شہیدِ رسالت سے متعلق علامہ اقبال کی نظم بعنوان "لاہور و کراچی"، پڑھی؟

وہ : نہ پڑھی ہے نہ پڑھنا چاہوں گا۔" وہ" یونہی لکھتا رہتا تھا۔

میں : خدارا کچھ تو بتائیں۔

وہ : ہم کچھ بھی نہیں جانتے، کراچی والوں سے جاکر پوچھیں۔

میں : خاندان اور علاقائی حالات ؟

وہ : (طویل خاموشی اور اخبار کا مطالعہ)

"عزیز من آئیے میں آپ کو بتاتا ہوں"۔۔۔۔ "یہ بزرگ" شہید موصوف کے ضرب تقسیم سے رشتہ دار "عرفان" صاحب تھے۔ انہوں نے فرمایا "اس علاقے میں مولانا اسمٰعیل دہلوی کی تعلیمات کا اثر عام ہے اور یہ زہر ہمارے گھروں تک بھی پہنچ چکا۔ اکثر لوگ ایسے ہی خشک مزاج اور روحِ اسلام سے بے بہرہ ہیں۔ ان کو فقط بے حضور امام اور بے سرور نماز سے غرض ہے۔ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عشق اور نہ ہی آپ کے چاہنے والوں سے کوئی لگاؤ۔ حضرت صاحب بھی پکے "وہابی ہیں۔ بقول ان کے "عبدالقیوم ایک بیوقوف نوجوان تھا جو طیش میں بلاوجہ اپنی جان پہ کھیل گیا اور زندگی سے گزر گیا"۔ وہ پڑھے لکھے ہیں اور میں قریب قریب ناخواندہ تاہم ان سے آپ کو کچھ نہ مل سکے گا۔ میں آپ کو بالتفصیل بتاتا ہوں۔۔۔۔

غازی مرید حسین شہیدؒ (بھلہ شریف۔ چکوال) کے بارے میں آپ کے قریبی عزیز اور صاحبِ درد انسان چودھری خیر مہدی صاحب نے نوازش فرمائی اور مرحلہ شوق قدرے آسانی سے طے ہو گیا مگر غازی محمد عبداللہ شہیدؒ کی تلاش میں ایک مدت گزری میں نے کہیں پڑھا تھا کہ آپ نے قصور سے آکر جنڈیالہ شیر خاں میں ایک سکھ "گستاخ رسول" چنچل سنگھ کو جہنم رسید کیا جبکہ یہ نشاندہی غلط تھی۔ بالآخر نہایت جانفشانی اور کوشش کے بعد خانقاہ ڈوگراں سے قریب ۲۴ چک چھوٹی تک رسائی ممکن ہوئی۔۔۔۔ الغرض غازی عبدالرشید شہیدؒ۔ غازی امیر احمد شہیدؒ۔ غازی محمد منیر شہیدؒ وغیرہم کے بارے میں معلومات اکٹھی کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ العزیز ایک نہ ایک دن یہ مخلصانہ محنتیں ضرور رنگ لائیں گی۔

***

مولانا محمد علی جوہر کو دیگر رہنماؤں کے ہمراہ برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کے الزام میں گرفتار کر کے کراچی لایا گیا جہاں ایک انگریز جج کی عدالت میں ان کا مقدمہ زیرِ سماعت تھا۔ مولانا جوہر اس عدالت میں اپنے اس تاریخی خطاب میں آقا و مولا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خطبۂ حجتہ الوداع کا حوالہ دینا چاہتے تھے تو انگریز جج نے کہا "ختم کرو یہ قصہ اور چھوڑو اپنے پیغمبرؐ کی بات"۔ اس پر مولانا جوہر نے طیش میں آکر کہا۔ "کروں گا اور ضرور کروں گا میں اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی بات۔ تم واپس لو اپنے الفاظ۔ پھر پوری قوت سے کہا۔ "میں کہتا ہوں اپنے الفاظ واپس لو۔ خبردار! جو شخص بھی میرے پیغمبر (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی شان میں گستاخی کرے گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا' اسے میں جان سے مار ڈالوں گا"۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد تلخی مزید بڑھ گئی۔ مولانا بپھرے ہوئے شیر کی طرح گرج رہے تھے۔ جس پر جج نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بلا کر حکم دیا کہ مولانا کو وہاں سے لے جائے مگر مولانا کے طیش و جلال کو دیکھ کر اس کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ وہ ان کے قریب آئے۔ مولانا بولتے چلے گئے اور آخر شدت جذبات سے مغلوب ہو کر ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا اور گگھی بندھ گئی جس کے بعد وہ بول نہ سکے۔

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور۔ ۱۷ تا ۲۳ نومبر ۱۹۹۰ء)

محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ (رچنا بلاک علامہ اقبال ٹاؤن۔ جن کی درخواست پر وفاقی شرعی عدالت نے توہینِ رسالت پر سزائے موت کا فیصلہ کیا) نے راجا سید اکبر ایڈووکیٹ کے حوالے سے بتایا کہ ایک انگریز جج کے خانساماں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں گستاخی پر ایک میجر کو چھری مار کر قتل کر دیا۔ سر شفیع جو رکن پارلیمنٹ بھی تھے' اس خانساماں کا کیس لڑ رہے تھے۔ دو انگریز جج سماعت کر رہے تھے۔ دورانِ سماعت سر شفیع حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذکر پر جذباتی ہو گئے اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ججوں نے کہا "سر شفیع! آپ کے پائے کا قانون دان بھی اس قدر جذباتی ہو گیا؟" اس کے جواب میں سر شفیع نے تاریخی جواب دیا۔

"سر! اگر شفیع بھی اس خانساماں کی جگہ ہوتا تو یہی کچھ کرتا"۔

غازی علم الدین شہیدؒ

رنگ لائی ہے تیری قربانی — مرحبا ذوق و شوقِ ایمانی!

جذبۂ عشق کو زوال نہیں — حسنِ فن، حسنِ انجمن فانی

عشق سود وزیاں سے برتر ہے — خوب تو نے یہ رمز پہچانی!

جان کرتی رہی ہزار جتن — ہار دل نے مگر نہیں مانی!

دار سے اس طرح گلو گیری! — دیدنی ہے یہ کیفِ وجدانی

رقص کرتا ہے ارتعاشِ عمل — ہاتھ مَلتی ہے فلسفہ دانی.

حکمتیں چومتی ہیں تیرا شباب — یہ جوانی نہیں ہے دیوانی!

شدتِ غم سے وہ کہاں بگڑے — لذتِ درد جس کی ہو بانی

عاشقی باریابِ منزل ہے — عقل مندی رہینِ حیرانی!

موت دشواریوں کی خوگر ہے — زندگی ڈھونڈتی ہے آسانی

کرتے رہتے ہیں تیرے مرقد پر
نعت خوانی، طیورِ بستانی!

فیض الرسول فیضانؔ

محافظانِ حرمتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وصیتیں

تحریر: نسرین اختر

جب کوئی انسان اس دنیا سے جانے لگتا ہے تو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے کچھ اہم باتیں کرتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بعد اس کے عزیز کسی پریشانی کا شکار ہوں اس لیے وہ چند امور میں پیش آنے والے مصائب ومشکلات سے اپنے عزیزوں کو آگاہ کر دیتا ہے جو اس کے نزدیک اہم ہوتے ہیں۔ ان کو کچھ پریشانیوں سے نپٹنے کے طریقے بتاتا ہے۔ وہ اس کے بارے میں زیادہ سوچتا ہے جو اسے سب سے پیارا ہو۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات آخری ہے اس کے بعد اس بارے میں وہ کوئی بات نہیں کر سکے گا۔

ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جانثاروں میں سے چند شہیدوں کی وصیتیں ملی ہیں۔ غازی علم الدین شہیدؒ کی وصیت زیادہ تفصیلی ہے۔ انھوں نے قریباً ہر اس بات کا ذکر وصیت میں کیا ہے جو ان کے نزدیک اہمیت کی حامل تھی۔ غازی علم الدینؒ وہ مردِ مجاہد ہیں جنھوں نے ایک پلید ہندو راجپال کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گستاخی پر مبنی کتاب شائع کرنے پر قتل کر دیا تھا۔ راجپال پر پہلے دو بار قاتلانہ حملہ ہوا جن سے وہ بچ گیا تھا۔ سب سے پہلے ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء کو غازی خدا بخشؒ جو پیشے کے لحاظ سے شیر فروش تھے اور جلد سازی کا کام بھی کرتے تھے انھوں نے راجپال کو قتل کرنا چاہا جس سے راجپال کو زخم ضرور آئے مگر وہ بچ نکلا۔[1] راجپال پر دوسرا قاتلانہ حملہ غازی عبدالعزیزؒ نے ۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو کیا۔ مگر اس کے بجائے اس کے

دوست سوامی ستیانند کو شدید زخمی کر دیا۔[2] مگر غازی علم الدینؒ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور خدا تعالیٰ کی مہربانی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم سے غازیؒ نے راجپال کو اس کی دکان میں ۶ اپریل ۱۹۲۹ کو کُتے کی موت مار دیا۔[3]

غازی علم الدین شہیدؒ کی وصیت کا وقت آیا تو غازی علم الدین نے شہادت سے ایک روز قبل کچھ وصیتیں کیں۔ انھوں نے کہا کہ میرے وصال کے بعد مسلمان عام طور پر اور عزیز دوست، رشتے دار، بھائی بہنیں، ماں باپ خاص طور پر رونے کے بجائے درود شریف پڑھ کر مجھے ثواب بخشیں کیونکہ میرا کارنامہ قابلِ فخر ہے، قابلِ افسوس نہیں۔ اس لیے اس پر رنج والم کا اظہار نہ کیا جائے۔ جنازے کے متعلق ان کی وصیت تھی کہ میری وفات کے بعد مجھے میانوالی میں غسل دیا جائے اور نمازِ جنازہ پڑھی جائے تاکہ میں اس شہر کے مسلمانوں کی دعاؤں سے مستفیض ہو سکوں۔ راستے میں جہاں کہیں بھی گاڑی رُکے، کلمۂ شہادت بہ آوازِ بلند پڑھا جائے۔ ممکن ہو تو میری نعش کو اسی چارپائی پر رکھ کر لاہور لے جائیں جس پر مولوی تاج الدینؒ کی نعش مبارک رکھی گئی تھی۔ نیز مجھے اپنے آبائی قبرستان میانی صاحب لاہور میں دفن کیا جائے۔ قبر کے متعلق غازی علم الدینؒ نے وصیت کی کہ شرعی اصولوں کے مطابق بنائی جائے۔ اندر سے کچی ہو اور اس کی حفاظت کے لیے تیس فٹ مربع اور دو فٹ اونچا چبوترا بنوایا جائے تاکہ میرا نشان زمانے کی دست بُرد سے محفوظ رہے اور آنے والی نسلیں میری قبر کو دیکھ کر اپنے ایمان کی حرارت کو تازہ کرتی رہیں۔ میری قبر کے گرد سوا دو فٹ اونچا ایک کٹہرا ہو جسے میرے والد خود تیار کریں۔ میری قبر بغیر چھت کے ہو کہ روح اور استخواں کا تعلق قائم رہے۔ مجھے گلاب سے خاصا انس ہے اس لیے میری تربت پر چاروں گوشوں میں گلاب کے گملے رکھے جائیں۔

غازی علم الدینؒ نے والدہ محترمہ سے درخواست کی کہ وہ افسوس کے بجائے

اس بات پر فخر کریں کہ اس نے ایک ایسا مایۂ ناز فرزند جنا ہے جس کو شہادت کا درجہ نصیب ہوا ہے۔ یہ صرف ان کی اچھی تربیت اور نیک دعاؤں کا ثمرہ ہے ورنہ مجھ ایسے گناہ گار اور غافل انسان کو یہ بلند مقام کیونکر حاصل ہو سکتا تھا۔

ان وصیتوں سے قطع نظر ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ کو تختۂ دار پر جانے سے ٹھیک بیس گھنٹے قبل نو بجے سپرنٹنڈنٹ جیل کو مجسٹریٹ کے سامنے غازی علم الدینؒ نے جو سرکاری وصیتیں لکھوائیں، ان میں سب سے پہلی حسن عمل کے متعلق تھی۔ غازی کا بیان تھا کہ اسلام ہر شخص کو اپنے عمل کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ میری شہادت کسی اور کی مغفرت کا موجب ہرگز نہیں بن سکتی۔ اس لیے میرے والدین اور عزیز و اقارب میری شہادت پر فخر ضرور کریں گے مگر اسے اپنی بخشش کا موجب ہرگز نہ سمجھیں۔ نیک کام کریں اور دوسروں کی خدمت کریں۔ بھائی محمد الدین اور بھائی غلام محمد سے کہہ دیں کہ اگر خدانخواستہ کبھی کوئی مصیبت نازل ہو تو پریشان ہونے کے بجائے اس کو دور کرنے کے لیے تدابیر سوچیں۔ خدا سے دعا مانگیں اور سورۂ مزمل کا ورد کرتے رہیں۔ میری ڈیڑھ سو دانے کی تسبیح محمد خلیل سے لے کر اپنے پاس رکھیں۔"

مسلمانوں کے نام سرکاری وصیت نامہ میں غازیؒ نے لکھوایا "مجھے دفنانے کے بعد سب مسلمان دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کریں تاکہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ ناموسِ رسالتؐ پر مر مٹنے والے پروانے آج بھی موجود ہیں۔"[4]

غازی محمد صدیق شہیدؒ کے بھائی بیان کرتے ہیں کہ آخری ملاقات کرنے گئے تو آپ بڑے حوصلے کے ساتھ ملے اور تمام وقت ہنس ہنس کر گفتگو فرمائی۔ انھوں نے ہمیں صبر و ضبط کی خاص طور پر تلقین کی۔ فرمایا "خواہش تھی کہ میری زندگی کسی کام آئے اور میرا نام شمعِ نبوت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جاں نثار پروانوں میں لکھا جائے۔ میں نے قصۂ زندگی کو بفضلہٖ تعالیٰ لہو کے چھینٹوں سے رنگین بنا لیا ہے۔ ان شاءاللہ کل میری روح گنبدِ خضرا کے سائے میں

شوخیٔ تقدیر پر سجدۂ تشکر بجا لا رہی ہو گی۔ میرے بعد ہرگز ہرگز آہ وزاری یا واویلا نہ کریں۔ انھوں نے کہا امی جان! مجھے صرف قرآن اور صاحب قرآن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے انس ہے۔ آپ بھی ہمیشہ انہی سے لو لگائے رکھیں۔ میری قبر پر کسی قسم کا کوئی خلافِ شرع عمل نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کی اجازت دینا۔ نیز قوالی بھی نہ ہو کہ سلسلۂ تصوف نقشبندیہ میں اس کی ممانعت ہے۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ خدانخواستہ اگر پھر بھی کہیں کوئی گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنم لے تو میرے متعلقین میں سے ایک نہ ایک فرد اس باطل علامت کو ٹھکانے لگا دے۔ [۵]

غازی مرید حسینؒ جنھوں نے گستاخ ہندو رام گوپال کو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کے لیے قتل کر دیا۔ جنھیں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں یہ فرض سونپا تھا اور غازی مرید حسینؒ نے وہ فرض پورا کر کے شہادت کی منزل کو پا لیا۔ جب وصیت کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے وارثوں کو جو وصیت فرمائی، وہ یہ ہے "میری جائیداد سے دس بیگھے زمین مسجد میں دے دی جائے۔ باقی تمام زمین، مکانات اور دوسرا سامان جب تک میری ماں غلام عائشہ اور بیوی امیر بانو زندہ رہیں، دونوں کی ملکیت ہے۔ ہر دو کی وفات کے بعد شریعت کے قانون کے مطابق ورثاء کو تقسیم کر لیں"۔ [۶]

غازی میاں محمد شہیدؒ نے ایک گستاخ ہندو ڈوگرے کو جہنم رسید کیا تھا۔ ان کی وصیت صرف وہ خط ہے جو انھوں نے شہادت سے صرف چار دن پہلے یعنی ۷، اپریل ۱۹۳۸ کو اپنے چھوٹے بھائی ملک نور محمد کے نام اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ یہ خط چار فل سکیپ صفحات پر مشتمل ایک مفصل اور ایمان افروز تحریر ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "نماز قائم کرو اور میری بخشش کی دعا کرنا۔ یہ دنیا ایک حسین دھوکا ہے۔ پیغمبروں کی زندگیوں کو دیکھو۔" واقعۂ کربلا اور صبر کے فلسفہ پر لکھتے ہیں کہ "میرے بعد ہرگز نہ رونا اور نہ کسی کو رونے دینا۔ میں ہزار بار رب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تم بھی ہزار بار شکرانہ ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے

سچے دینِ اسلام کے لیے میری قربانی کو منظور فرمایا۔ میں خدا کی شان کہ میرا پر اس قدر خوش ہوں کہ اس خوشی کا تصوّر کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا"۔ ایک جگہ لکھتے ہیں، سب سے پیاری چیز خدا کے نام پر دینی چاہیے۔ میں آپ کا اگر بہت پیارا تھا تو آپ یہ کہیں کہ ہم نے خدا کے نام پر اپنا بھائی قربان کر دیا ہے۔ آخری میری آرزو یہی ہے کہ صبر کرنا اور دل کو قابو میں رکھنا اور شکایت کا حرف لب پر نہ آنے دینا اور رب کی رضا پر رہنا۔ [۷]

حواشی:

(۱) محمد کمال، رائے "غازی علم الدین شہیدؒ"، ص ۵۷ (۲) ایضاً ص ۶۲ (۳) ایضاً ص ۶۹ (۴) ماہنامہ "حکایت" لاہور، اکتوبر ۱۹۷۸، مضمون "قیدی نمبر ۱۰۵" تحریر ایم ایس ناز۔ ص ۲۷/ محمد کمال، رائے "غازی علم الدین شہیدؒ"، ص ۱۵۹، ۱۶۰/ ابوالفتح میاں محمد۔ علم الدین شہیدؒ، ص ۶۲۔ ۶۵ (۵) محمد کمال، رائے۔ غازی محمد صدیق شہید (مسودہ)/ روزنامہ، نوائے وقت، لاہور، میگزین ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ (۶) محمد منیر نوابی ایم اے "عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، غازی مرید حسین شہیدؒ"۔ ص ۸۲ (۷) ضیائے حرم (ماہنامہ) لاہور ستمبر ۱۹۸۴۔ مضمون غازی میاں محمد شہیدؒ تحریر میاں محمد ملک ص ۲۰/ محمد کمال رائے "غازی میاں محمد شہیدؒ"۔ ص ۱۲۶ ـــ ۱۳۳/ روزنامہ نوائے وقت۔ راولپنڈی۔ ۱۳، اپریل ۱۹۸۲ء (مضمون ناموس رسالتؐ کا شیدائی، غازی میاں محمد شہیدؒ۔ تحریر میاں محمد ملک)، ص ۵۔

=======☆☆☆=======
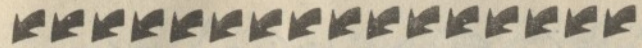
رب عزوجل فرماتا ہے الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا
اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ہ کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیئے
جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ اسی میں ہے صفحہ ۔ امام مذہب
حنفی سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں اَیُّمَا رَجُلٍ
مُسْلِمٍ سَبَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ کَذَّبَہٗ اَوْ عَابَہٗ
اَوْ تَنَقَّصَہٗ فَقَدْ کَفَرَ بِاللّٰہِ تعالیٰ جو شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو دشنام دے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے یا حضور کو کسی قسم کا عیب لگائے
یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے وہ یقیناً کافر اور خدا کا منکر ہو گیا، اس کی جورو اس
کے نکاح سے نکل گئی۔ دیکھو کیسی صاف تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی تنقیص شان کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے اور اس کی جورو نکاح سے نکل جاتی
ہے۔ کیا مسلمان اہل قبلہ نہیں ہوتا یا اہل کلمہ نہیں ہوتا ہے سب کچھ ہوتا ہے مگر محمد رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے ساتھ نہ قبلہ قبول نہ کلمہ مقبول والعیاذ باللہ
اصل بات یہ ہے کہ اصطلاح آئمہ میں اہل قبلہ وہ ہے کہ تمام
ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو۔ ان میں سے ایک بات کا بھی منکر ہو تو قطعاً یقیناً اجماعاً
کافر مرتد ہے ایسا کہ جو اسے کافر نہ کہے خود کافر ہے۔ شفا شریف و بزازیہ و درر وغرر
فتاویٰ خیریہ وغیرہا میں ہے اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ اَنَّ شَاتِمَہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَافِرٌ وَمَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَکُفْرِہٖ کَفَرَ تمام
مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان مبارک میں
گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے معذب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی
کافر ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی
فتاویٰ افریقیہ
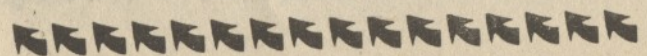
شفا ر ج ۲ ص ۱۸۶ میں ہے واجتمعت الامۃ علیٰ قتل متنقصہ من
المسلمین وسابہ قال اللہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ
لعنہم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لھم عذابا مھینا وقال اللہ
تعالیٰ والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم، پھر اسی کے
ص ۱۹۰ اور درر وغرر ج ص ۳۰۰، فتاوٰی خیریہ ج ۱ ص ۱۰۳، درالمختار اور شامی ج ۳ ص ۴۰
میں ہے اجمع المسلمون علیٰ ان شاتمہ کافر وحکمہ القتل و
من شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔

ان سب عبارات کا حاصل یہ ہے کہ شہنشاہِ کون و مکاں حبیبِ ربِ رحمٰن محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں نازیبا الفاظ اور گالی بکنے والا انسان تمام مسلمانوں کے
نزدیک کافر ہے اور کافر بھی ایسا سخت کہ جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے
وہ بھی کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ حاکمِ اسلام اسے قتل کر دے، یہ سزا
اسلامی حکومت کا فرض ہے، عوام الناس کا کام نہیں،

مولانا محمد نور اللہ نعیمی
فتاویٰ نوریہ (جلد سوم)

یہ واقعہ امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قبلہ علی پوری قُدِّسَ سِرُّہٗ نے امامُ الائمہ سیدنا حضرت ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس سراپا قدس منعقدہ مسجد جان محمد امرتسر کے اجتماعِ عظیم میں بیان فرمایا تھا۔

”امرتسر کے گرجا گھر کے سامنے کھڑا ہو کر ایک پادری حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل اور عیسائی مذہب کی خوبیاں بیان کر رہا تھا اور وہ (پادری) دورانِ تقریر حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کا اسمِ گرامی ادب و احترام سے نہیں لیتا تھا۔ سامعین میں ایک بھنگڑ اس حالت میں کھڑا تھا کہ بھنگ گھوٹنے والا ”ڈنڈا“ اس کے کاندھے پر تھا۔ اس خوش بخت نے کہا:

”پادری! ہم حضرتِ عیسیٰ (علیہ السلام) کو برحق نبی مانتے ہیں اور ان کا نام ادب سے لیتے ہیں، تو بھی ہماری سچی سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا نام ادب سے لے۔“

مگر پادری پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا، تو اس عالی ہمم نے پھر ٹوکا۔ جب پادری نے تیسری بار بھی اسی طرح نام لیا، تو اس پاک نہاد نے اپنا وہ ڈنڈا جس سے بھنگ گھوٹتا تھا، اس زور سے پادری کے سر پر دے مارا کہ پادری کا سر پھٹ کر بھیجا باہر آگیا اور وہ مردود بیان دیے بغیر واصلِ جہنم ہو گیا۔ یہ عاشقِ صادق پکڑا گیا۔ موت کی سزا ہوئی۔ اپیل ہوئی۔ انگریز جج نے یہ لکھ کر بری کر دیا کہ:

”پادری کا قاتل تکیہ نشین بھنگڑ ہے۔ کوئی مولوی نہیں۔ مولوی اور پادری کی کوئی باہمی رنجش ہو سکتی ہے۔ بھنگڑ سے پادری کی دیرینہ یا تازہ رنجش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ پادری نے ضرور اس کے جذبات کو مجروح کیا ہے، لہٰذا میں اسے بری کرتا ہوں۔“ (بتغییرِ یسیر بقدر حافظہ)

(محققِ عصر) حکیم محمد موسیٰ امرتسری (لاہور)

ماہنامہ ”نعت“ لاہور

۱۹۸۸ء کے خاص نمبر

- جنوری ـــــ حمدِ باری تعالیٰ
- فروری ـــــ نعت کیا ہے
- مارچ ـــــ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ اوّل)
- اپریل ـــــ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (حصہ اوّل)
- مئی ـــــ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ دوم)
- جون ـــــ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (حصہ دوم)
- جولائی ـــــ نعتِ قدسی
- اگست ـــــ غیر مسلموں کی نعت (حصہ اوّل)
- ستمبر ـــــ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نمبروں کا تعارف (حصہ اوّل)
- اکتوبر ـــــ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ اوّل)
- نومبر ـــــ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ دوم)
- دسمبر ـــــ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ سوم)

ماہنامہ نعت لاہور کے ۱۹۸۹ء خاص نمبر

مہینہ	موضوع
جنوری	لاکھوں سلام (حصہ اوّل)
فروری	رسولؐ نمبروں کا تعارف (حصہ دوم)
مارچ	معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ اوّل)
اپریل	معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ دوم)
مئی	لاکھوں سلام (حصہ دوم)
جون	غیر مسلموں کی نعت (حصہ دوم)
جولائی	کلامِ ضیاء (علامہ ضیاء القادریؒ) حصہ اوّل
اگست	کلامِ ضیاء (حصہ دوم)
ستمبر	اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (حصہ سوم)
اکتوبر	درود و سلام (حصہ اوّل)
نومبر	درود و سلام (حصہ دوم)
دسمبر	درود و سلام (حصہ سوم)

ماہنامہ نعت لاہور کے ۱۹۹۰ء خاص نمبر

- جنوری ـــ حسن رضا بریلوی کی نعت
- فروری ـــ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نمبروں کا تعارف (حصہ سوم)
- مارچ ـــ درود و سلام (حصہ چہارم)
- اپریل ـــ درود و سلام (حصہ پنجم)
- مئی ـــ درود و سلام (حصہ ششم)
- جون ـــ غیر مسلموں کی نعت (حصہ سوم)
- جولائی ـــ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (حصہ چہارم)
- اگست ـــ وارثیوں کی نعت
- ستمبر ـــ آزاد بیکانیری کی نعت (حصہ اوّل)
- اکتوبر ـــ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ چہارم)
- نومبر ـــ درود و سلام (حصہ ہفتم)
- دسمبر ـــ درود و سلام (حصہ ہشتم)

ماہنامہ **نعت** لاہور

۱۹۹۱ء کے خاص نمبر

جنوری ——— شہیدانِ ناموسِ رسالت (اول)

فروری ——— 〃 دوم

مارچ ——— 〃 سوم

اپریل ——— 〃 چہارم

مئی ——— 〃 پنجم

جون ——— غریب سہارنپوری کی نعت

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۲۹۱

ماہنامہ نعت لاہور

یہ محبت کا تقاضا ہے کہ جو محبوبؐ کو
دیکھے میلی آنکھؐ سے اس کا تیا پانچا کروؐ
اس لیے ہر با حمیت اہلِ دیںؐ پر فرض ہے
وہ فنا فی النار کر دے شاتمِ سرکارؐ کو

راجا رشید محمود

(منظر رقم)